ناگ منی



امرتا پریتم

ناگ منی

امرتا پریتم کی دیگر کتب

۱۔ رسیدی ٹکٹ

۲۔ محبت نامے

۳۔ یہ سچ ہے

۴۔ انچاس دن

۵۔ میرا کمرہ

۶۔ پنجر

۷۔ ایک تھی انیتا

۸۔ دلّی کی گلیاں

۹۔ ایک لڑکی ایک جام

۱۰۔ رنگ کا پتّہ

۱۱۔ تقدیر کا خط

امرتا پریتم

ناگ منی

مکتبہ اردو ادب
بازار ستھاں اندرون لوہاری گیٹ لاہور

ناشر ——————— سرفراز احمد

مطبع ——————— زاہد بشیر پرنٹرز

قیمت ——————— -/۱۲ روپے

بتی کے چاروں طرف پیتل کی چھلنی جیسا خول چڑھا ہوا تھا کمارجیب بھی اس بتی کو جلاتا بتی کی روشنی پیتل کے سوراخوں میں سے دودھ کی دھاروں کی طرح بہنے لگتی جس سے کمرے کی دیواروں اور کمرے کے فرش پر روشنی کا چھڑکاؤ سا ہو جاتا۔ یہ بتی کمرے کی چھت میں لگی ہوئی تھی۔ دوسری بتی کمار کے میز پہ لگی ہوئی تھی۔ جس کے ماتھے پہ پیتل کا ایک ڈھکن لگا ہوا تھا اور جس سے ٹکرا کر اس بتی کی روشنی میز پر رکھے ہوئے شیشہ کے پیالے میں ڈھل جاتی تھی اور یوں وہ پیالہ ہر وقت لبالب بھرا رہتا تھا۔ کمارجیب کبھی کچھ سوچنے میں منہمک ہوتا تھا تو اس کے میز کی بتی گل اور چھت کی بتی روشن ہوتی تھی پیتل کے سینکڑوں سوراخوں سے چھن چھن کر آتی ہوئی وہ روشنی جس طرح سینکڑوں الگ الگ دھاروں میں بٹی ہوتی تھی اُسی طرح کمار کے خیالات بھی سینکڑوں الگ الگ لکیروں پہ چلتے تھے اور جونہی اس کے ذہن میں یہ لکیریں یکجا ہو جاتیں وہ چھت کی بتی بجھا کر میز کی بتی جلا لیتا تھا۔ روشنی ایک ہی جگہ جمع ہو کر شیشے کا وہ پیالہ بھرنے لگتی اور کمار کے ذہن میں اُبھری ہوئی تصویر اس کے سامنے پڑے ہوئے کاغذ پر اترنا شروع ہو جاتی۔

آج کمار پچھلے تین گھنٹوں سے اپنے میز پر سر جھکائے کام میں منہمک تھا۔ الکانے میز کے پاس رکھے ہوئے اسٹول پر کافی کا پیالہ رکھتے ہوئے آہستہ سے چمچ کو کھنکھنایا تاکہ کمار کو معلوم ہو جائے کہ اس نے کافی کا پیالہ رکھ دیا ہے۔ لیکن کچھ دیر بعد الکانے دیکھا کہ کافی کا وہ پیالہ جوں کا توں رکھا ہے اور کمار اسی طرح میز پر سر جھکائے اپنے کام میں مستغرق ہے۔

الکانے زبان سے کچھ کہے بغیر پیالے کو تھوڑا سرکا دیا۔ کمار نے پیالے کی طرف کچھ اس طرح دیکھا جیسے کھڑکی میں سے آتی ہوئی ہوا سے کھڑکی کی کنڈی ہلنے کی آواز آئی ہو۔ سانکل جیسے پھر سے ساکن ہو گئی اور کمار کی تمام تر توجہ پھر سے اپنے میز پر مرکوز ہو گئی۔

الکا کو کمار کے اسٹڈیو میں آکر کام سیکھتے ہوئے چھ مہینے ہونے والے تھے اور الکا کو چھ مہینے میں نہیں پہلے مہینے میں ہی معلوم ہو گیا تھا کہ جس وقت کمار کام کر رہا ہو الکا کی کہی ہوئی کسی بات میں یا پیالے کے چمچ میں یا کھڑکی کی کنڈی میں کوئی فرق نہیں رہتا۔ اس لئے الکانے زبان سے کچھ نہ کہا۔

تقریباً آدھ گھنٹے کے بعد کمار نے میز سے سر اٹھایا۔ جب وہ بہت تھک جاتا تھا تو اس کے ماتھے پر ایک نس ابھر آتی تھی۔ اس نس کا کساؤ اس کی آنکھیں بھی محسوس کرتی تھیں۔ اس نے ایک منٹ کے لئے آنکھیں بند کیں اور پھر ماتھے کی نس کو انگلیوں کی پوروں سے سہلاتے ہوئے اس نے الکا کی طرف دیکھا "کافی کا ایک پیالہ ملے گا؟"

الکا نے اسٹول پر رکھے ہوئے پیالے کو اٹھایا اور کمرے سے ملحق مختصر سے برآمدے میں چلی گئی۔ باورچی خانہ کچھ دور پڑتا تھا اس لئے کمار نے چائے کافی بنانے کا سامان برآمدے میں رکھ چھوڑا تھا۔ چولھے پر پانی رکھ کر الکا نے پیالے کی ٹھنڈی کافی گرا دی اور پیالہ دھونے لگی۔

گرم کافی کا پیالہ لے کر جب الکا لوٹ کر کمرے میں آئی تو کمار میز پر رکھے ہوئے کاغذ کو بڑے غور سے دیکھ رہا تھا۔

"آج اتنی خوشبو کہاں سے آ رہی ہے؟" کمار نے اس طرح پوچھا جیسے وہ خوشبو کو سونگھ نہ رہا ہو، ڈھونڈھ رہا ہو۔

الکا نے بھی تصویر کی طرف گردن گھمائی اور پھر تصویر کی لڑکی کے بالوں میں ٹنگے ہوئے پھولوں کی طرف دیکھا اور بولی ــــ "اِن پھولوں سے آ رہی ہوگی۔"

الکا کے ہاتھ سے کافی کا پیالہ پکڑتے ہوئے کمار کھِلکھِلا کر ہنس پڑا "ابھی میں نے اپنے ہوش و حواس اتنے نہیں کھوئے کہ کاغذ پر بنائے ہوئے پھولوں سے مجھے خوشبو آنے لگے!"

الکا خاموش رہی۔ پھر اس نے دیوان کے پائے کے پاس پڑی ہوئی چوکی کی طرف اس طرح دیکھا جیسے کہہ رہی ہو کہ اتنے ہوش و حواس ضرور جاتے رہے ہیں کہ کمرے میں رکھے ہوئے تازہ پھول ابھی تک دکھائی نہیں دیئے۔ یہ پھول الکا نے صبح آتے ہی گلدستہ میں سجا دیئے تھے۔

"اوہ ... ... کمار نے ہوش میں ہونے کا دعویٰ واپس لے لیا اور کافی کا گرم گھونٹ بھرتے ہوئے بولا" لیکن یہ عادت نہیں ڈالنی چاہئیے تھی۔"

"کیسی عادت؟ ... پھولوں کی عادت ..."

"اور۔"

"پیسے کی عادت ... ... شہرت کی عادت ... "عورت کی عادت ..... اور اپنے آپ کی عادت ۔"

"کیا مطلب؟"

"اپنے آپ کی عادت بھی نہیں ڈالنی چاہئیے۔ کبھی کبھی مائیکلوانجلو کو مائیکل اینجلو رہنا چاہئیے اور کبھی اسے بازار کے ایک کونے میں بیٹھا ہوا حلوائی بھی بن جانا چاہئیے۔ کبھی نمک تیل بیچنے والا بنیا اور کبھی پان بیڑی بیچنے والا... ..."

کمار ہنس پڑا "تم سمجھ نہیں پائی ہو الکا! صرف اپنے آپ کی عادت کے لئے دوسری کوئی عادت نہیں ڈالنی چاہئیے میرا خیال ہے کہ اپنے آپ کی مکمل عادت تب ہی پڑ سکتی ہے جب آدمی باقی ماندہ عادتوں سے آزاد ہو جائے۔"

"یہ میں مانتی ہوں لیکن میرے خیال میں شہرت اور عورت میں بہت فرق ہوتا ہے۔"

"کسی بھی ایک عادت اور دوسری عادت میں کوئی فرق نہیں ہوتا .... ایک بار میں..."

"چپ کیوں ہو گئے؟"

"تمہاری جگہ اگر کوئی دوسری لڑکی ہوتی تو شاید میں چپ ہی رہتا مجھے کسی کو بھی کچھ

بتانے کی کبھی ضرورت محسوس نہیں ہوئی ضرورت اب بھی نہیں ہے۔لیکن شاید بتانے میں کچھ حرج بھی نہیں ہے تم مجھے غلط نہیں سمجھو گی"۔

"مجھے بھی اپنے آپ پر بھروسہ ہے"۔

" میں یہ بتانے والا تھا کہ ایک بار مجھ میں ایسی بھوک جاگی تھی کہ میں کئی دن تک سو نہیں سکا تھا۔وہ صرف جسم کی بھوک تھی۔ایک عورت کے جسم کی بھوک۔لیکن میں کسی بھی عورت کے ساتھ اپنی زندگی کے سال وابستہ کرنے کو تیار نہ تھا۔کبھی بھی تیار نہیں ہو سکتا۔اس لئے کچھ دنوں تک میں ایک ایسی عورت کے پاس جاتا رہا جو ایک دن کے بیس روپے لیتی تھی اور کبھی میری آزادی پر حرف نہیں آنے دیتی تھی"۔

الکانے کچھ نہیں کہا صرف گہری نظروں سے کمار کے چہرے کی طرف دیکھا۔

"تم میرے دل کی بات سمجھتی ہو۔۔۔۔؟"

"ہاں"

"یا تم سوچتی ہو کہ میں اچھا آدمی نہیں ؟"

"نہیں ! میں یہ نہیں سوچتی"۔

"لیکن تم کچھ نہ کچھ ضرور سوچ رہی ہو"۔

"ہاں"

"کیا؟"

"۔۔۔۔کہ میں ہی وہ عورت ہوتی جس کے پاس آپ روز بیس روپے دیتے آیا کرتے"۔

"الکا!"

کمار کے ہاتھ میں پکڑا ہوا کافی کا پیالہ لرز گیا لیکن الکا اسی طرح ساکن و جامد کھڑی رہی جس طرح پہلے کھڑی تھی۔ کمار گھبرا کر دیوان پر آ بیٹھا۔

"میں کہہ رہی تھی کہ شہرت اور عورت میں بہت فرق ہوتا ہے۔"

"میں سمجھا نہیں۔"

"شہرت اپنے آپ کو سمجھنے میں مدد نہیں دیتی اور نہ ہی پیسہ دیتا ہے لیکن عورت اس سلسلہ میں اسی طرح مدد کرتی ہے جس طرح کسی کا فن اس کی مدد کرتا ہے۔"

"فن فنکار کا ایک رنگ ـــ ایک عضو ہی ہوتا ہے ـ جیسے... بازو یا ہاتھ پاؤں۔"

"محبت بھی ہمارا ایک انگ ہی ہوتی ہے۔ جیسے آنکھیں... جیسے زبان شاید اس سے بھی زیادہ ـــ یہ آنکھیں نہیں آنکھوں کی نظر ہوتی ہے، نظر بھی نہیں ـــ ایک "نکتہ نظر" ہوتی ہے۔"

"میرا نکتہ نظر بالکل مختلف ہے الکا۔"

"وہ میں جانتی ہوں۔"

"یہ تمہارے نکتہ نظر سے کبھی میل نہیں کھا سکتا۔"

"شاید"

"شاید نہیں یہ حقیقت ہے۔"

"میں نے یہ نہیں کہا کہ یہ کبھی میل کھا جائے۔۔۔۔"

"پھر؟"

میں نے کچھ نہیں کہا۔"

"لیکن تم نے یہ کیوں کہا کہ تم۔۔۔۔۔۔"

"کہ میں وہ عورت ہوتی جس کے پاس آپ روز بیس روپے دینے آیا کرتے۔

"تم نے یہ کیوں کہا؟"

"روپے کمانے کے لئے۔۔۔۔"

اس بار لڑکا ہنس پڑی لیکن کمار کی ہنسی اس کے حلق میں ہی چھٹپٹا کر رہ گئی۔

"کیوں یہ ٹھیک نہیں؟ روز کے بیس روپے کم ہیں کیا؟"

"تم ایسی سنجیدہ لڑکی۔۔۔۔"

"میں سچ سچ بڑی سنجیدہ ہوں۔"

"ہاں اپنے کام میں تو سچ ہی۔۔۔۔"

"میں زندگی میں بھی ویسی ہی ہوں۔"

"پھر تم نے یہ بات کیسے کہی؟"

"اس لئے کہ میں بہت سنجیدہ ہوں۔"

"وہ سنجیدہ بات۔۔۔۔"

"اتنی کہ اس سے زیادہ سنجیدہ بات اور کوئی ہو ہی نہیں سکتی۔"

"میں اسے یوں نہیں سمجھ پاؤں گا الکا۔ اور سمجھے بغیر دل ہی دل میں کڑھتا رہوں گا۔"

"پھر بھول جائیے کہ میں نے وہ بات کہی تھی۔"

"تم بھول سکو گی اس بات کو؟"

"میں کبھی یاد نہیں دلاؤں گی۔"

"ہم روز ویسے ہی کام کریں گے، جیسے پہلے کرتے آئے ہیں۔"

"ہم کبھی کوئی ذاتی بات نہیں کریں گے۔"

"ہم صرف اپنے کام سے واسطہ رکھیں گے۔"

"تم میری زندگی میں کوئی دخل نہیں دو گی۔"

"میں آپ کی زندگی میں کوئی دخل نہیں دوں گی۔"

"خاص طور سے محبت کی بات نہیں کرو گی۔"

"خاص طور سے محبت کی بات نہیں کروں گی۔"

"الکا!"

"جی"

"تم یوں بولتی جا رہی ہو جیسے کوئی بچی ماسٹر کے سامنے 'دو دونے چار' کا پہاڑہ پڑھ رہی ہو تم سیریس کیوں نہیں ہو۔"

"میں بالکل سیریس ہوں۔ میں سب وعدوں کو اس طرح دہرا رہی ہوں جیسے گورو منتر لیتے وقت کوئی گورو کے بولوں کو دہراتا ہے۔"

کمار نے اپنے ماتھے کی ابھری ہوئی نس کو انگلیوں سے سہلایا اور بولا "میں تمہیں بالکل نہیں سمجھ سکتا، الکا۔"

"لیکن میں اپنے آپ کو سمجھ سکتی ہوں۔"

کمار نے ابھی تک میز کی بتی نہیں بجھائی تھی۔ اُس نے ایک بار میز پر پڑے ہوئے کاغذ کی طرف دیکھا اور میز کی بتی بجھا کر چھت کی بتی جلا دی چھت کی بتی کی روشنی پیتل کے سوراخوں میں سے پتلی پتلی دھاروں میں بٹ کر بہنے لگی۔ کمرے کی دیواروں اور فرش پر روشنی چھٹکنے لگی لیکن کمار کو روشنی سے بھیگے ہوئے فرش پر پاؤں رکھتے ہوئے ایسا لگا جیسے اس گیلے فرش پر اس کا پاؤں پھسل جائے گا۔

۲

آج سے پہلے جب کبھی کمار کو کسی عورت کا خواب آیا تھا تو وہ عورت ہمیشہ ایسی ہوتی تھی جس کا یاد رکھنے کے قابل کوئی چہرہ نہیں ہوتا تھا اور جس عورت کا کوئی چہرہ نہ ہو اس کی کوئی پہچان بھی نہیں ہوتی اور جس عورت کی کوئی تلاش نہ ہو اس کے لئے دل میں کوئی درد بھی نہیں ہوتا کمار کو اس قسم کا کوئی بے سر و پا کا خواب ہمیشہ اس وقت آتا تھا جب اس کے جسم میں عورت کے جسم کی بھوک بیدار ہوتی تھی اور یہ بھوک کمار کے جسم میں کبھی کبھار ہی بیدار ہوتی تھی اس لئے جب کبھی کمار کو ایسا خواب آتا تھا بعد ازاں فراموش ہو جاتا تھا۔

لیکن آج کی رات کمار کو جو خواب آیا تھا اس کی یاد کمار کو بے طرح تڑپا رہی تھی۔ اس خواب میں اس نے عورت کا چہرہ دیکھا تھا۔ چہرے کو پہچانا تھا اور اسے خوف تھا کہ اس کی

یہ پہچان اس کی تلاش نہ بن جائے۔ تلاش ہمیشہ رشتے استوار کرتی ہے اور وہ اپنے فن کے علاوہ کسی سے کوئی رشتہ استوار نہ کرنا چاہتا تھا۔

رات اپنے آخری پہر تک پھیل گئی تھی جب کمار نے چھت کی بتی جلائی لیکن پھر روشنی کی سینکڑوں دھاروں سے گھبرا کر اس نے بتی بجھا دی۔ اُس وقت وہ یکسوئی چاہتا تھا۔ چاہتا تھا کہ کوئی بھی خیال اس کے ذہن میں نہ آئے۔ اس نے اپنے میز کی بتی جلا کر میز پہ اگرچہ ابھی اسے کوئی کام نہیں کرنا تھا لیکن میز کی بتی کی روشنی اُسے اچھی لگی جیسے بتی کے چھوٹے سے ڈھکنے کی آڑ بکھرنے سے بچا کر ایک جگہ مرکوز کر رہی تھی۔

کتنی معمولی سی بات ہے۔۔ ۔۔ اور میں یونہی گھبرا رہا تھا۔ ذہنی خیالات کو بھی ایک جگہ مرکوز کرنے کے لئے ایک چھوٹے سے ڈھکنے کی ضرورت ہوتی ہے۔۔ ۔۔ ایک چھوٹی سی آڑ کی ضرورت ہوتی ہے' اور کمار کے ذہن میں ایک دم یہ خیال آیا کہ دراصل فن ہی روشنی ہوتا ہے اور فن ہی اس کی آڑ۔

کمار نے اپنے لئے چائے کا ایک پیالہ بنایا اور اپنی کرسی پر بیٹھ کر وقت سے پہلے ہی اپنا کام شروع کر دیا۔

سورج کی [illegible]ن کے ساتھ کمار کو النکا کا خیال آیا شاید اس لئے کہ جوں جوں دن نکل رہا تھا النکا کی آمد کا وقت قریب اور قریب آتا جا رہا تھا۔

”میرا خیال ہے کہ میرے جسم میں پھر سے کوئی بھوک بیدار ہو رہی ہے عورت کا خواب مجھے اس بھوک کے بغیر ہرگز نہیں آسکتا۔۔۔۔۔“ اور کمار نے سوچا کہ وہ کچھ دنوں کے لئے

اپنا اسٹڈیو بند کر کے کسی دوسرے شہر میں چلا جائے۔ آٹھ دس دن اسی شہر میں رہ کر اپنی اس بھوک کو مٹا آئے پھر واپس آ کر وہ اپنے کام میں اسی طرح منہمک ہو سکے گا جس طرح وہ پچھلے کئی مہینوں سے منہمک تھا۔ کمار کا یہ اسٹڈیو کانگڑہ وادی کے بیجروں لا اسٹیشن سے قریب ڈیڑھ میل کے فاصلے پر تھا۔

کمار اپنے کاغذ اور کپڑے لتے سنبھال رہا تھا کہ الکا نے دروازہ کھٹکھٹایا۔

"میں کچھ دنوں کے لئے شہر جا رہا ہوں۔"

"پٹھان کوٹ یا امرتسر؟"

"شاید پٹھان کوٹ تک تم اتنے دن یہیں اکیلی رہنا چاہو گی یا امرتسر جانا چاہو گی۔ اپنے پتا جی کے پاس؟"

"میں یہیں رہوں گی۔"

"مجھے شاید زیادہ دن لگ جائیں۔"

"کوئی بات نہیں"

"شہر سے کچھ لانا ہو تو بتا دو۔"

"اپنے رنگ اور کاغذ دیکھ لیجئے۔ کم ہوں تو لیتے آیئے گا۔"

"ابھی کچھ دن پہلے ہی تو منگوائے تھے۔ کم سے کم چھ مہینے تک اور منگوانے کی ضرورت نہیں پڑے گی۔"

"مجھے بہت سا کام سمجھا جائیے پیچھے کرتی رہوں گی۔"

"جتنی بھی محنت کرو گی کم ہے"

کمار الکا سے باتیں بھی کر رہا تھا اور سوٹ کیس میں کپڑے بھی سنبھال رہا تھا۔ "میں رکھ دوں کپڑے ٹھیک سے؟ ورنہ سب کے سب سوٹ کیس میں نہیں آئیں گے"

"ٹھیک ہے رکھ دو۔ اتنے میں میں اپنی پتلون لے آتا ہوں۔ کل پریس کے لئے دی تھی۔"

"اس میں کچھ میلے کپڑے بھی پڑے ہوئے ہیں۔ انہیں دھو ڈالوں؟ دو گھنٹے میں سوکھ جائینگے"

"رہنے دو، وہیں شہر میں دھلوالوں گا"

"لیکن گاڑی تو دوپہر کو جاتی ہے نا۔۔۔ ابھی کافی وقت ہے"

"اچھا دھو ڈالو۔۔۔ ۔۔ لیکن تم خود کیوں دھو رہی ہو۔ ابھی ہریا آئے گا اس سے دھلوالینا"

الکا نے کوئی جواب نہیں دیا۔ کمار پتلون لینے چلا گیا۔

دھوبی کا کام کرنے والا کوئی شخص قرب و جوار میں نہیں تھا۔ کمار نے بیجناتھ کی طرف جانے والی سڑک پر چائے کی دوکان والے پہاڑ بیٹے کو شہر سے لوہے کی ایک پریس لادی۔ وہی بوقت ضرورت کمار کے کپڑے دھو کر ان پر پریس کر دیا کرتا تھا۔ کل جب کمار نے وہاں اپنی پتلون دی تھی تو اسے شہر جانے کا خیال تک نہ آیا تھا۔ اب جب وہ پتلون لینے وہاں پہونچا تو پتلون دُھل چکی تھی لیکن اسی طرح پڑی ہوئی تھی۔ کوئلے دہکاتے اور پریس گرم کرتے کچھ وقت لگ گیا اس لئے کمار جب پتلون لے کر واپس لوٹا تو الکا نے اس کے میلے کپڑے دھو کر سوکھنے کے لئے پھیلا دیئے تھے۔

"ہر یا نہیں آیا۔"

"آیا تھا گھڑا لے گیا ہے بھرنے کے لئے۔"

کمار کو رات کے اندھیرے میں شہر جانے کی فوری تیاری جتنی فطری لگی تھی، دن کے اجالے میں اتنی فطری نہیں لگ رہی تھی۔ ہاتھ میں لی ہوئی پتلون الکا کو دیتے ہوئے اسے خیال آیا کہ الکا اس کی اس تیاری کے بارے میں کوئی سوال کیوں نہیں کر رہی اور اسے خواہش ہوئی کہ الکا کچھ پوچھے۔ چاہے کچھ بھی پوچھے صرف اتنا ہی کہہ دے کہ پیچھے گاؤں میں اتنے دن اکیلے رہنے سے اسے ڈر لگے گا حالانکہ کمار کے اسٹڈیو میں وہ پہلے بھی نہیں رہتی تھی۔ اسٹڈیو سے آدھے میل کے فاصلے پر اس نے ایک مکان کا چوبارہ کرائے پر لے رکھا تھا پھر بھی اسے کمار کی موجودگی کا سہارا تھا اور کمار کے دل میں آیا کہ اگر الکا اکیلی رہنے کی بات کہنے لگے تو وہ ایک دو بار اسے سمجھا کر اپنا شہر جانا ملتوی کر دے گا۔ شہر جانے کے لئے اس کے دل میں کوئی امنگ نہیں تھی۔ اس میں کسی طرح کی جسمانی بھوک بیدار نہیں ہوئی تھی اور الکا جوں جوں اس کا سامان تیار کرتی جا رہی تھی اسے احساس ہوتا جا رہا تھا جیسے اُسے جبراً شہر بھیجا جا رہا ہو۔

"تم پیچھے ڈرو گی تو نہیں؟" آخر کمار نے خود ہی پوچھ لیا۔

"ڈر؟ مجھے؟ مجھے کس بات کا ڈر ہے۔" الکا نے جواب دیا اور سوٹ کیس کو بند کر کے چابی کمار کو دے دی۔

چابی پکڑاتے ہوا الکا نے سو سو روپے کے دو نوٹ بھی کمار کو دیئے۔

"یہ کیا ہے؟"

"دو مہینوں کے روپے آپ ایک ساتھ لے لیجئے۔ شہر میں ضرورت پڑیگی۔"

"سوٹ کیس میں بینک کی پاس بُک رکھتے ہوئے میں نے پاس بک دیکھی تھی۔ صرف سو روپے ہیں بینک میں۔"

"اتنے ہی کافی ہیں۔ جانے کا کرایہ تو ہے ہی۔ واپسی میں بینک سے روپے نکلوا لونگا۔"

"لیکن وہاں ضرورت پڑے گی۔ دس دن بھی رہے تو بیس روپے روز کے حساب سے۔۔۔"

"الکا۔"

صبح کا سہانا وقت تھا لیکن کمار کے ماتھے پر پسینے کی بوندیں اُبھر آئیں۔ اُسے لگا جیسے الکا کی خاموش لیکن موٹی موٹی آنکھیں ہر چیز کو اس کے آر پار دیکھنے کی توفیق رکھتی ہیں۔ انہوں نے کمار کے ذہن میں رینگتے ہوئے تمام خیالات کو دیکھ لیا ہے پڑھ لیا ہے۔ اسے الکا کی اِن آنکھوں پر غصہ آیا لیکن زیادہ غصہ اسے اپنے خیالات پر آیا جو کینچوے کی طرح اس کے ذہن میں رینگ رہے تھے۔ کینچوے اگرچہ کسی کا کچھ نہیں بگاڑتے لیکن انکی پلپلی چال سے ہر کسی کو گھن آنے لگتی ہے۔ کمار کو خود ہی اپنے خیالوں سے گھن آنے لگی۔

کسی کینچوے کو اگر کوئی تنکا چھوا دے تو کچھ دیر کے لئے وہ اس طرح بیجان سا ہو جاتا ہے جیسے اس میں کبھی بھی زندگی نام کی کوئی چیز نہ ہو اور وہ شروع سے ہی رسی کا ایک ٹکڑا محض ہو۔ کمار کو بھی لگا کہ اس کے ذہن میں خوف کا جو کینچوا رینگ رہا تھا الکا کے چھونے سے رسی کا ایک ٹکڑا بن گیا تھا۔

"اگر تم یہی سوچتی ہو کہ میں شہر اس مقصد کے لئے جا رہا ہوں تو میں نہیں جاتا.....!"
کمار نے اپنے ذہن میں چھپے ہوئے خوف کو رسّی کے ٹکڑے کی طرح ہاتھ میں لے کر کہا" ہم نے وعدہ کیا تھا کہ ہم کبھی ذاتی باتیں نہیں کریں گے"۔

"میں اس وعدے پر قائم ہوں"۔ الکا نے کہا۔ اس نے شہر جانے یا نہ جانے کی بات کا کوئی جواب نہیں دیا۔

کمار لمحہ بھر کے لئے خاموش رہا۔ لیکن وہ خاموشی بولنے سے زیادہ سنگین تھی۔ بولنے سے اگرچہ ذاتی بات نہ کرنے کی وعدہ خلافی ہوتی تھی لیکن کمار کو محسوس ہوا کہ اس خاموشی سے تو بولنا کہیں زیادہ اچھا اور آسان تھا۔

"لیکن خود تم نے ہی تو بات شروع کی تھی"۔

"میں نے صرف روپئے دیئے تھے بات شروع نہیں کی تھی"۔

"لیکن وہ بات تمہارے دل میں تھی۔ وہ تمہیں بھولی نہیں تھی"۔

"میں نے کوئی بات بھلانے کا وعدہ نہیں کیا تھا۔ صرف چپ رہنے کا وعدہ کیا تھا"۔

"لیکن وہ بات یاد رکھنے کا تمہیں کوئی حق نہیں"۔

"اپنی یادداشت پر ہر کسی کا اپنا حق ہوتا ہے"۔

"لیکن الکا ـــ آخر تم اس بات کو یاد کیوں رکھنا چاہتی ہو؟"

"اس 'کیوں' کے چکر میں مت پڑیئے۔ اس کا خاتمہ کہیں کبھی نہیں ہوگا۔ بہتر یہی ہے کہ ہم اپنے اسی پہلے وعدے پر قائم رہیں کہ ہم کبھی ذاتی باتیں نہیں کریں گے"۔

کمار نے خاموش رہنے کا جو وعدہ بڑی اُمنگ سے الکا سے لیا تھا وہی وعدہ کمار کو محسوس ہوا ایک ایسا اندھیرا تھا جس میں ہر شے بڑی ڈراؤنی لگتی ہے۔ کمار کسی چیز سے ڈرنا نہیں چاہتا اس لئے اسے لگا جیسے اس وعدے نے خواہ مخواہ کا اندھیرا کر کے بڑی معصوم باتوں کو بھی بھیانک بنا دیا تھا۔ باتوں کو ان کی قدرتی شکل میں دیکھنے کے لئے کمار نے سوچا کہ وہ الکا کے سامنے خاموش رہنے کے بجائے باتیں کرے گا۔ آخر الکا ایک سلجھی ہوئی لڑکی تھی۔

"یہاں ـــ میرے پاس بیٹھ جاؤ الکا۔"

"جی"

"سچ سچ بتاؤ تمہیں مجھ سے کوئی ڈر لگتا ہے؟"

"بات کو الٹ کر مت پوچھئے۔"

"الٹ کر؟"

"آپ کو معلوم ہے کہ مجھے آپ سے کوئی ڈر نہیں لگتا۔ دراصل مجھے کسی سے بھی ڈر نہیں لگتا۔ ڈر انسانوں کو اپنے آپ سے لگتا ہے۔"

"تمہارا مطلب ہے میں اپنے آپ سے ڈرتا ہوں؟"

"جی"

"الکا!"

"جی"

"تم کس طرح مجھ پر یہ الزام لگا سکتی ہو؟"

"میں نے الزام نہیں لگایا صرف ایک بات بتائی ہے۔"

"لیکن یہ غلط ہے۔"

"اگر غلط ہے تو پھر آپ اچانک شہر کس لئے جا رہے ہیں؟"

"شہر جانے کے لئے مجھے کئی کام ہو سکتے ہیں۔"

"آپ جانتے ہیں کہ آپ کو کوئی کام نہیں ہے۔"

"چلو، مان لیا، کوئی کام نہیں۔ شاید یہی کام ہو کہ میں اپنی جسمانی بھوک مٹانے شہر جا رہا ہوں لیکن یہ بھی تو ایک کام ہے۔"

"اس کام کے لئے شہر جانے کی کیا ضرورت ہے؟"

"لیکن یہاں..... "کمار کے حلق میں اس کا سانس اٹک گیا۔ اپنے اٹکے ہوئے سانس کو اس نے بزور کھینچتے ہوئے کہا "یہاں شہروں جیسا کوئی انتظام نہیں ہے"۔

"میں ہر لحاظ سے اس لڑکی سے اچھی ہوں جو بیس روپے لے کر....!"

"الکا!"

"جی"

"تمہیں کیا ہو گیا ہے الکا۔ تم ایک شریف لڑکی ہو۔ شریف ماں باپ کی بیٹی۔"

"اس میں شرافت کا سوال کہاں سے آ گیا؟"

"روپیہ لے کر جسم دینا شرافت نہیں ہے۔"

"کیوں ؟"

"کیونکہ یہ شرافت نہیں۔"

"پھر اس لحاظ سے روپے دے کر جسم لینا بھی شرافت نہیں۔"

کمار چپ ہو گیا۔ الکا پھر بولی" اگر آپ اپنے لئے شرافت کو ضروری چیز نہیں سمجھتے تو میرے لئے کیوں ضروری سمجھتے ہیں؟"

"میری بات اور ہے الکا۔"

"صرف اس لئے کہ مردوں کے لئے ایک وہ چیز بھی شرافت ہوتی ہے جو عورت کے لئے نہیں ہوتی۔"

"یہ بات نہیں ہے الکا۔"

"تو"

"میں کبھی ایک چیز کے ساتھ اپنے آپ کو وابستہ نہیں کرتا اس لئے میری قدروں کا اثر صرف مجھ پر پڑے گا۔ لیکن کل کو تمہاری شادی ہونی ہے۔ تمہارا تعلق صرف تم سے نہیں ہوگا کسی دوسرے سے بھی ہوگا۔ اس کی قدریں وہ نہیں ہوں گی جو میری اور تمہاری ہو سکتی ہیں۔"

"اس کا جواب اس وقت میں صرف اتنا ہی دوں گی کہ میرے جیسی لڑکی صرف اپنی قدروں کو ہی قبول کر سکتی ہے۔ کسی دوسرے کی قیمتوں کو نہیں۔"

"چلو میں یہ بھی مان لیتا ہوں۔ حالانکہ میں جانتا ہوں کہ یہ بات تمہارے بس کی نہیں۔ لیکن میری مشکل دوسری ہے۔"

"میں آپ کی شکل کو جانتی ہوں۔"

"نہیں تم نہیں جانتیں۔

"ضرورت پڑنے پر آپ صرف اس عورت کے پاس جانا چاہتے ہیں، جس کا کوئی چہرہ نہ ہو اور جس عورت کا کوئی نام نہ ہو۔ کیونکہ چہرے اور نام سے بات پہچان تک آجاتی ہے اور یہ پہچان کبھی دل میں کوئی دھاگا جوڑ دیتی ہے۔

"ہاں الکا۔"

"اے فیس لیس وومن۔ اے نیم لیس وومن[1]"

A face less woman, A nam less woman

"ہاں الکا۔"

"میں اپنے آپ کو فیس لیس بھی بنا سکتی ہوں اور نیم لیس بھی۔"

"لیکن الکا — کیوں — کیوں؟"

"اس 'کیوں' کا کوئی جواب میں نہیں دوں گی۔"

"کیونکہ اس کا کوئی جواب نہیں۔"

"اس کے کئی جواب ہو سکتے ہیں۔"

"مثلاً؟"

"مثلاً یہ کہ شاید مجھے روپوں کی ضرورت ہو۔"

یہ جواب غلط ہے۔ تم مجھے کام سیکھنے کے سو روپے دیتی ہو۔ سو روپے مہینہ کم نہیں۔

---

[1] ایک بے چہرہ عورت ایک بے نام عورت

پھر تم اپنے رہنے کا، پہننے کا، کھانے کا خرچ بھی کھلے ہاتھوں سے کرتی ہو۔ تمہارے والد امیر آدمی ہیں۔"

"پھر ہو سکتا ہے کہ یہ میری جسمانی ضرورت ہو۔"

"یہ جواب بھی غلط ہے۔"

"کیوں؟"

"میرے پاس اس کا کوئی ثبوت نہیں۔ لیکن میرا دل کہتا ہے کہ یہ جواب غلط ہے۔ تم خود ہی بتاؤ کہ کیا یہ غلط نہیں؟"

"ہاں غلط ہے۔"

"پھر؟"

"میں نے کہا تھا کہ میں اس کا جواب نہیں دوں گی ۔ اس لئے چپ ہوں۔"

"لیکن میں اس کا جواب جاننا چاہتا ہوں۔"

"آپ نہیں سمجھیں گے ۔ میں بتا بھی دوں تو بھی آپ نہیں سمجھیں گے۔"

"کیوں؟"

"کیونکہ بہت سی باتوں کے بارے میں ہمارے نکتہ نظر مختلف ہیں۔ آپ نے خود ہی کہا تھا کہ ہمارے نکتہ نظر کبھی آپس میں نہیں مل سکتے۔"

"میں نے کہا تھا۔ . . . لیکن میں کوشش کروں گا کہ تمہارا نکتہ نظر سمجھ سکوں سمجھ کر بھی شاید مان نہ سکوں لیکن سمجھنے کی کوشش ضرور کروں گا۔"

"سمجھانے اور منوانے میں، میں یقین نہیں رکھتی۔"

"پھر"

"وقت خود سمجھائے گا۔ منا بھی دے گا۔"

"کسے؟ مجھے یا تمہیں؟"

"اسے بھی وقت کے فیصلے پر رہنے دیجیے۔"

الکا کے کہنے پر جب کمار نے سب کچھ وقت کے فیصلے پر چھوڑ دیا تو الکا کو دو سو روپے لوٹاتا ہوا کمار بولا۔

"یہ روپے لے لو۔ ابھی مجھے نہیں چاہییں۔"

"اور چابی؟"

کمار ہنس پڑا۔ "چابی بھی لے لو۔ سوٹ کیس کھول دو۔ میں شہر نہیں جا رہا۔"

"اور شہر جا کر جو کام کرنے تھے؟"

"مجھے کوئی کام نہیں۔"

"وہ بیس روپے روز کا کام؟"

"کوئی ضرورت نہیں۔"

ڈر کی ہر بات کو اونچا بول کر نڈر ہونے کا جو تجربہ کمار نے کیا تھا اسی تجربے کو آزمانے کے لئے کمار نے کچھ دیر بعد الکا سے کہا۔

"اگر مجھے کبھی کوئی ضرورت پڑی تو تم سے کہہ دوں گا۔"

"اچھا۔"

"تم میرے لئے اس عورت کی طرح ہو گی جس کا کوئی نام نہیں ہوتا یا جس کا کوئی ہو سکتا ہے۔"

"یہ ایک بہت بڑا درجہ ہے۔"

"کیا مطلب؟"

"خدا کا بھی کوئی نام نہیں ہوتا اور اس کا کوئی بھی نام ہو سکتا ہے۔"

"چھوٹی باتوں کو خدا سے وابستہ کر دیں تو وہ بڑی نہیں ہو جاتیں۔"

"کئی باتیں ایسی بھی ہوتی ہیں جو چھوٹی یا بڑی ہونے سے بے نیاز ہوتی ہیں۔"

"جس چیز کی قیمت بیس روپے سے چکائی جا سکتی ہو وہ بات ہمیشہ چھوٹی ہی رہے گی۔ بڑی نہیں ہو سکتی۔"

کمار کے اعضاء میں ایک آگ سی سرایت کر گئی۔ اس نے الکا کو اپنی باہوں میں جکڑ کر اس کے ہونٹوں سے اس طرح ایک لمبا گھونٹ بھرا جیسے وہ اس کے ہونٹوں سے اس کی ساری جان پی جانا چاہتا ہو۔ آگ کی لپٹ کی طرح کمار کے جسم میں کوئی چیز بھڑکی اور جس وقت کمار نے الکا کے انگ انگ کو اپنے ساتھ چپکا لیا تو اسے لگا کر اس نے الکا کو اپنے جسم میں نہیں۔ آگ کی لپٹ میں لپیٹ لیا ہو۔ یہ الکا کو توڑ دینے کی کوشش تھی۔

کمار جب الکا کے پاس سے اٹھ کر پرے جا کھڑا ہوا تو الکا نے اپنے جسم پر سے اترے کپڑوں کو کھینچ کر ایک اوڑھنا چادر کی طرح اپنے اوپر لے لیا اور کمار سے بولی میرے روپے؟

کمار نے پتلون کی جیب میں سے بیس روپے نکالے اور الکا نے ہاتھ بڑھا کر روپے لے لئے۔

"صرف بیس روپے۔" کمار ہنس پڑا لیکن اس کی یہ ہنسی نہ جانے کیسی تھی کہ وہ خود ہی اپنی ہنسی سے خوفزدہ ہو کر سپرے دیوار کی طرف دیکھنے لگا۔

"سونے کا کلس چڑھا کر بھی کوئی بھگوان کو نہیں خرید سکتا لیکن کوئی پجاری کا صرف ایک پھول چڑھا کر بھی بھگوان کو خرید لیتا ہے۔" الکا نے کہا اور ایک ایک کر کے اپنے کپڑے پہننے لگی۔

"کیا مطلب؟"

"کچھ نہیں۔"

"اس طرح روپے کمانے والی عورت کو کیا کہا جا سکتا ہے؟"

"عورت"

"الکا!"

"میں ایک بیسوا بننے کا دعویٰ بھی اسی آسانی سے کر سکتی ہوں جس آسانی سے بیوی بننے کا۔"

"میں تمہیں بالکل نہیں سمجھ سکتا الکا۔"

"لیکن میں اپنے آپ کو سمجھ سکتی ہوں۔"

کمرے کی دونوں بتیاں بجھی ہوئی تھیں۔ کھڑکیوں پر نیلی اور کالی دھاریوں والے بوجھل پردے لٹک رہے تھے لیکن باہر سے سورج کی روشنی پردوں کی بُنائی میں سے چھن کر کمرے کی دیواروں پر اور کمرے کے فرش پر روشنی کا جھڑکاؤ سا کر رہی تھی

اور روشنی سے بھیگے ہوئے اس فرش پر پاؤں رکھتے ہوئے کمار کو لگا جیسے اس گیلے فرش پر سے اس کا پاؤں پھسل جائے گا۔

۳

پانچ دن گزر گئے۔ الکا روزانہ بلا ناغہ آتی اور اپنا کام کرتی۔ اس واقعہ کا سایہ بھی اس کے ساتھ کمرے میں نہ آتا۔ چھٹے دن صبح سویرے جب الکا آئی تو کمار اپنا تولیہ تہہ کر کے چمڑے کے ایک بیگ میں رکھ رہا تھا۔

"آج پھر شاید جانے کی تیاری ہے؟"

"وہ تیاری چھوٹی تھی یہ تیاری بڑی ہے۔ تم بھی میرے ساتھ چلوگی۔ ہریا ناشتہ تیار کر رہا ہے اس سے کہہ دو کہ کچھ زیادہ بنا لے۔"

"کتنے دن کے لئے؟"

"ایک ہی دن کے لئے۔"

کمار اور الکا جب پگڈنڈی پر چلتے ہوئے سامنے پہاڑ کے دامن میں پہنچے تو ایک پہاڑی ندی کے کنارے کھڑے ہو کر کمار نے ہاتھ میں لیا ہوا بیگ ایک پتھر پر رکھ دیا۔

"نہاؤ گی؟"

"میں اپنے ساتھ کوئی کپڑا نہیں لائی۔"

"اس بیگ میں ایک نیلی چادر رکھی ہے۔"

ندی کا پانی جو ساری رات سرد پتھروں سے باتیں کرتا رہا تھا اب سورج کی کرنوں سے

کھیل رہا تھا۔ الکا نے بیگ سے چادر نکالی اور ایک پتھر کی آڑ میں جاکر کپڑے اتارنے لگی۔ نیلی چادر کو بدن سے لپیٹ کر جب اُس نے پانی میں پاؤں رکھا تو جنگلی پھولوں کی ایک ٹہنی پانی میں تیرتی ہوئی الکا کے پاس آگئی۔ الکا نے ٹہنی کا اگلا حصّہ توڑ کر اپنے بالوں میں اُڑس لیا۔

کمار الکا کے بائیں طرف کے پانی میں نہا رہا تھا۔ الکا نے ایک نظر کمار کی طرف دیکھا اور پھر پانی میں آہستہ آہستہ چلتی ہوئی کمار کے پاس سے گزری اور کافی دور جاکر اس کی سیدھ میں کھڑی ہوگئی۔ پانی بہت گہرا نہیں تھا۔ صرف گھٹنوں تک آتا تھا۔ الکا گھٹنوں کے بل پانی میں بیٹھ گئی۔

الکا کی کلائیوں میں سبز کانچ کی پانچ پانچ چوڑیاں تھیں اور اس وقت پانی میں ڈوبی ہوئی وہ کلائیاں ایسے لگ رہی تھیں جیسے ان پر سبز رنگ کے پتّے لپٹے ہوں۔ صرف اس وقت جب الکا باہیں پھیلا کر پانی کے بہاؤ کو کاٹتی تھی تو ایک چھناکے کے ساتھ وہ چوڑیاں کھنکھنا اٹھتی تھیں۔

الکا نے کئی بار اپنی ٹھوڑی اور آدھے چہرے کو پانی میں ڈبو کر پانی کو اپنی آنکھوں سے چھوایا۔ الکا پانی کے بہاؤ کی طرف تھی اور جو پانی الکا کے بدن کو چھو کر نکلتا تھا وہ دور سے کمار کے بدن کو چھو کر آرہا تھا۔ الکا کی آنکھیں بڑے ادب سے اس پانی کو چھوتی رہیں۔

الکا کی چوڑیوں کی کھنک اگرچہ زیادہ اونچی نہیں تھی لیکن اس گہری خاموشی میں

وہ کمار کے کانوں تک پہنچ ہی جاتی تھی کمار اس کھنک سے بچنے کے لئے کئی بار سیدھ سے ہٹا۔ ایک بار تو وہ بالکل پانی کی بائیں سمت تک چلا گیا لیکن الکا نے فوراً ہی سیدھ اختیار کر لی۔ جو بھی پانی کمار کے بدن کو چھو کر آ رہا تھا الکا اُسے اپنے انگ انگ میں سمو لینا چاہتی تھی۔

کمار نے شاید الکا کے اس کھیل کو بھانپ لیا اور اس کھیل کو ختم کرنے کے خیال سے وہ پانی سے باہر آ گیا۔ الکا بھی پانی سے باہر آنے لگی تو کمار پھر پانی میں اُتر گیا اور تیزی سے آگے بڑھتا ہوا الکا کے پاس جا پہنچا۔

ایک جھٹکے کے ساتھ کمار نے پہلے الکا کا بازو پکڑا اور پھر اس کے جسم سے لپٹی ہوئی نیلی چادر کھینچ لی۔ چادر ہی کی طرح اس نے الکا کو اپنی باہوں میں لپیٹ لیا اور پھر اپنے کھولتے ہوئے ہونٹوں سے اس طرح الکا کے ہونٹوں کو پیا جیسے وہ الکا کی ساری جان کے ساتھ ساتھ اس پہاڑی ندی کا پانی بھی پی جائے گا۔

کمار نے پھولے ہوئے سانسوں کے ساتھ جب الکا کو چھوڑا تو الکا کے ہونٹ اسی طرح ثابت کے ثابت تھے۔ الکا کا سینہ اسی طرح سانس لے رہا تھا اور ندی کا پانی بھی اسی طرح بہہ رہا تھا اور کمار کو لگا جیسے نہ تو اس سے الکا کے سانس پیئے جا سکتے ہیں اور نہ ہی ندی کا پانی۔ وہ کنارے کے پتھروں میں اس طرح جا بیٹھا جیسے ان پتھروں میں ایک اور پتھر شامل ہو گیا ہو۔

الکا نے باہر آ کر کپڑے پہن لئے اور نیلی چادر کو نچوڑ کر ایک بڑے پتھر پر سوکھنے

کے لئے پھیلا دیا۔

"ناشتہ نکال دوں؟" الکا کمار کے پاس آ کھڑی ہوئی اور ناشتہ کا ڈبہ کھول کر پلیٹ پونچھنے لگی۔

کمار کتنی دیر تک الکا کے پیروں کی طرف دیکھتا رہا اور پھر اچانک اٹھ کر اس نے الکا کے پیروں کو مروڑ دیا۔

"یہ پیر اس طرح نہیں، اس طرح ہونے چاہئے تھے۔"

"کس طرح؟"

"ایڑی آگے ہونی چاہئے تھی اور انگلیاں پیچھے۔"

"کیوں؟"

"کیونکہ جنّی کے پاؤں الٹے ہوتے ہیں۔"

"جنّی کیا ہوتی ہے؟"

"بھوت پریتوں کی نسل کی جنّی۔"

"ہر جنّی کے پیر الٹے ہوتے ہیں؟"

"جب میں چھوٹا سا تھا تو ہمارے پڑوس میں ایک بوڑھا رہا کرتا تھا وہ مجھے جنّی کی کہانیاں سنایا کرتا تھا۔"

"اس نے جنّی دیکھ رکھی تھی؟"

"وہ کہتا تھا کہ اس نے اپنی جوانی میں ایک جنّی پکڑی بھی تھی۔"

"پھر؟"

"وہ بتایا کرتا تھا کہ جنّی پکڑنا بہت مشکل ہوتا ہے۔ کئی کئی راتیں شمشان میں جاکر بیٹھنا پڑتا ہے۔ جنّی پہلے بہت ڈراتی ہے۔ اگر آدمی ڈر جائے تو وہ پکڑی جانے کے بجائے اس آدمی کو پکڑ لیتی ہے۔"

"پھر اس نے جنّی کو کیسے پکڑا؟"

"اُس نے اسے اس کے پیروں سے پہچان لیا تھا۔ وہ کہتا تھا کہ ہر جنّی کا منہ ماتھا ویسا ہی ہوتا ہے جیسے کسی عام عورت کا۔ جنّی کے چہرے کی طرف کبھی نہیں دیکھنا چاہیئے۔ ہمیشہ اس کے پیروں کی طرف دیکھنا چاہیئے کیونکہ اس کے پیر الٹے ہوتے ہیں اور اس کے پیروں سے پہچان کر پکڑ لینا چاہیئے۔

"لیکن پکڑنے سے فائدہ کیا؟"

"وہ بوڑھا کہا کرتا تھا کہ اگر ایک بار جنّی پکڑ میں آجائے تو پھر ساری زندگی کوئی فکر نہیں رہتی۔ جس وقت آپ کا نئے کپڑے پہننے کو جی چاہے وہ کپڑے لادیتی ہے۔ وہ چھتیس قسم کے پکوان لاسکتی ہے۔ اور بہترین سوغاتیں آپ کی خدمت میں پیش کر سکتی ہے۔"

"پھر اس بوڑھے نے جنّی کو چھوڑ کیوں دیا؟"

"وہ کہتا تھا کہ اسے روزانہ رات کو جنّی سے مینکا کا ناچ دیکھنے کی عادت پڑ گئی تھی ہر رات جنّی مینکا کے کپڑے پہن کر اور پیروں میں گھنگھرو باندھ کر مینکا کا وہ ناچ پیش

کیا کرتی تھی جو صرف اندر کے دربار میں ہوتا ہے "۔

"پھر؟"

"پاس پڑوس میں شور مچ گیا کہ رات کو یہاں سے گھنگھروؤں کی آواز آتی ہے اور لوگوں سے پریشان ہو کر اس نے جنّی کو چھوڑ دیا "۔

"آپ نے اس بوڑھے سے جنّی پکڑنے کا طریقہ معلوم کیا تھا؟"

"اسی عمر میں جب میں کافی چھوٹا تھا میں اس بوڑھے سے جنّی پکڑنے کا طریقہ معلوم کر کے ایک بار جنّی پکڑنے کے لئے گیا تھا "۔

"پھر؟"

"اماوس کی کالی رات تھی۔ اس نے بتایا تھا کہ جنّی صرف اماوس کی رات کو ہی پکڑی جا سکتی ہے۔

"پھر؟"

"میں بہت دلیر لڑکا مانا جاتا تھا۔ کچھ اپنی دلیری سے اور کچھ اپنی دلیری کی شہرت سے میں آدھی رات کے وقت نکل پڑا۔ لیکن بڑی مشکل سے ابھی شمشان تک ہی پہنچا تھا کہ باہر کے پیڑوں سے ہی مجھے ڈر لگنے لگا۔ پھر ایک گھنے پیڑ میں سے کوئی جانور بولا اور میں الٹے پاؤں بھاگ آیا . . . . "

"شاید وہ جنّی ہو جو اس وقت پیڑ پر چڑھی ہوئی ہو . . . . !"

"اس بوڑھے نے مجھے بتایا تھا کہ سب سے پہلے جنّی کے پیروں میں پڑے ہوئے

گھنگھروؤں کی ہی آواز سنائی دیتی ہے۔"

"اس کا مطلب یہ ہوا کہ ہر جنّی ناچنے کا فن ضرور جانتی ہے۔"

"شاید۔"

"لیکن مجھے تو یہ فن نہیں آتا۔"

"سو تم نے یہ مان لیا کہ تم ایک جنّی ہو۔"

"ہاں لیکن سیدھے پیروں والی اور سیدھے راستہ پر چلنے والی۔"

"یہ سیدھا راستہ ہے؟"

"آپ اسے الٹا بھی کہہ سکتے ہیں۔ کیونکہ اگر کوئی تصویر کے الٹی طرف کھڑا ہو کر دیکھے تو وہ اسے الٹی ہی نظر آئے گی۔"

"میں اُلٹی طرف کھڑا ہوں؟"

"کل ہم نے طے کیا تھا کہ ہم کسی بھی بات کا فیصلہ نہیں کریں گے۔ ہماری ہر بات کا فیصلہ وقت کرے گا۔"

"کل کی طرح آج بھی کمار نے الکا کی بات مان لی اور سب کچھ وقت کے فیصلے پر چھوڑ دیا اس نے چپ چاپ الکا کے ہاتھ سے پلیٹ لے لی اور نیپکین پراٹھے کا ایک لقمہ توڑ کر شہد کی کٹوری میں ڈبوتے ہوئے اپنے دائیں پیر کے انگوٹھے سے زمین کریدنے لگا۔

الکا نے تھرموس کی کافی پیالے میں ڈالی اور پیالہ کمار کی طرف بڑھا دیا۔

"میں سوچ ہی رہا تھا کہ ہم چلتے یا کافی بھی لیتے آتے ...... ایک بات اس

بوڑھے نے بالکل ٹھیک کہی تھی۔"

"کیا؟"

"کہ جنّی چھتیس قسم کے پکوان سجا کر جس وقت آپ چاہیں آپ کے سامنے رکھ سکتی ہے۔"

"لیکن آپ اُس بوڑھے سے ایک بات پوچھنا بھول گئے ۔۔۔۔"

"کیا؟"

"آپ نے جنّی کو پکڑنے کا طریقہ تو پوچھ لیا لیکن جنّی سے اپنے آپ کو چھڑانے کا طریقہ نہیں پوچھا"

"وہ طریقہ میں ڈھونڈ رہا ہوں۔ ڈھونڈ لوں گا۔"

"آج اس ندی پر یہی طریقہ ڈھونڈنے آئے تھے؟"

"اگر سچ پوچھو تو یہی طریقہ ڈھونڈنے آیا تھا ۔۔۔۔ کل رات ۔۔۔۔"

"کل رات کوئی طریقہ سُوجھا تھا؟"

"کل رات سپنے میں میں نے یہ ندی دیکھی تھی۔"

"میں بھی ندی کے کنارے بیٹھی ہوئی تھی یا نہیں؟"

"اسی طرح نیلی چادر لپیٹ کر تو اس ندی میں نہا رہی تھی۔"

"اور میرے بالوں میں پھول بھی ٹنگے ہوئے تھے۔"

"میں نے پھولوں کی یہ ٹہنی یونہی توڑ کر پانی میں نہیں پھینکی تھی تمہارے بالوں میں لگانے کے لئے ہی تو ایسا کیا تھا۔"

"پھر؟"

"سپنے جب تک سچ نہیں بنتے وہ انسان کے پیچھے پڑے رہتے ہیں۔"

"اور آپ نے پیچھا چھڑانے کے لئے اس سپنے کو سچ کر کے دیکھ لیا۔"

"ہاں"

"رات مجھے بھی ایک سپنا آیا تھا۔"

"اس ندی کا؟"

"نہیں"

"پھر؟"

"میں نے دیکھا کہ میں آپ کے کام کرنے کے میز پر ایک کاغذ رکھ کر اس پر انگوں کے نشان لگا رہی ہوں۔"

"پھر؟"

"نشان لگاتے لگاتے میں تھک گئی لیکن وہ کاغذ جیسے جادو کے زور سے بڑھتا ہی چلا گیا۔"

"پھر؟"

"پھر میں نے اس کاغذ سے پوچھا کہ وہ میرے ساتھ اس طرح کیوں کر رہا ہے۔"

"پھر؟"

"بڑی عجیب بات ہے۔ جب میں کاغذ سے باتیں کرنے لگی تو وہ کاغذ بھی میرے ساتھ باتیں کرنے لگا۔"

"یوڈیم ..... ؟"

"اس کاغذ نے مجھے بتایا کہ وہ میرے سپنوں کا کاغذ تھا اور میں چاہے عمر بھر اس پر انچوں کے نشان لگاتی رہوں وہ کبھی ختم نہیں ہو سکتا۔

"یو ڈیول ..... "

"یعنی عرف ڈیول"

"چل اب ناشتہ کر کے واپس چلیں۔ آج صبح سے کوئی کام نہیں کیا۔"

"چلو کچھ گھنٹے کام بھی کر لیں۔ کیا معلوم کل صبح پھر آنا پڑے۔"

"یہاں؟"

"یہاں نہیں شاید اس پہاڑ کی چوٹی پر جانا پڑے گا۔"

"کیوں؟"

"کیونکہ سپنے ہمیشہ بڑھتے رہتے ہیں۔ خیالوں کے پاؤں چاہے اُلٹے ہوں لیکن سپنوں کے پاؤں سیدھے ہوتے ہیں۔ آج وہ اس ندی تک آئے تھے کل کو پہاڑ کی چوٹی پر چڑھیں گے۔"

کمار گھبرا کر الکا کے چہرے کی طرف دیکھنے لگا۔ اسے محسوس ہوا کہ وہ آزادی کی جس بلندی پر کھڑا تھا وہاں سے کسی دن الکا اسے اس طرح کھینچے گی کہ وہ پھسل کر محبت کی گہری کھائی میں جا گرے گا۔

۴

"خیالوں کے پاؤں چاہے الٹے ہوں لیکن سپنوں کے پاؤں سیدھے ہوتے ہیں۔"

الکا کی یہ بات کئی دن تک کمار کے کانوں میں ایک تنکے کی طرح چبھتی رہی ۔ اور پھر ایک رات کمار کو سپنا آیا کہ وہ ایک گڈریئے کی طرح اپنی کمر سے ایک کالا اور لمبا رسّا باندھے جنگل میں بھیڑیں چرا رہا تھا۔ بھیڑیں چراتے چراتے اُسے بڑی بھوک لگی لیکن وہاں آس پاس ایک چشمے کے پانی کے سوا اور کچھ نہیں تھا۔ اس پانی کے اس نے چند گھونٹ ہی پئے تھے کہ اسے لگا پانی اس کے خالی کلیجے میں چبھنے لگا ہے۔ وہ کلیجے پر ہاتھ رکھ کر کانٹے دار جھاڑیوں کو منھ مارتی ہوئی بھیڑوں کی طرف دیکھنے لگا . . . . پھر اس نے آنکھیں ملیں اور دیکھا کہ اس سنسان جنگل میں کہیں سے ایک پری اتر آئی ہے۔ اس نے موٹے چمڑے کی جوتی پہن رکھی تھی جس سے وہ بغیر کسی آہٹ کے ٹھمک ٹھمک چل رہی تھی۔ سر پر اُس نے سرخ رنگ کا پٹکا باندھ رکھا تھا اور اس کی سبز رنگ کی قمیص پر کمر کے اوپر کالے ریشم کی ایک رسّی بندھی ہوئی تھی۔ دونوں بانہیں اوپر اُٹھا کر اس نے سر پر رکھی ہوئی ایک ہنڈیا تھام رکھی تھی اور اس وجہ سے اس کے چہرے کا بہت سا حصہ اس کی بانہوں کے پیچھے چھپا ہوا تھا۔ کمار ایک پیڑ کی آڑ میں ہو گیا تاکہ جب وہ پری اس پیڑ کے پاس سے گذرے تو وہ ایک جانب سے اس کا پورا چہرہ دیکھ سکے۔ جس پتلی سی پگڈنڈی پر سے وہ پری چل کر آ رہی تھی، وہ پگڈنڈی اس پیڑ کے بالکل پاس سے گذرتی تھی جہاں کمار پیڑ کی ایک شاخ پر بازو ٹکائے کھڑا تھا۔ وہ پری جب پیڑ کے پاس آئی تو اس نے سر سے ہنڈیا اتار کر پیڑ کے تنے کے ساتھ ٹکا دی اور سر کا سرخ پٹکا اتار کر تنے کے پاس بچھا دیا۔
ہنڈیا میں رکھے ہوئے پکوان کی مہک کمار کے کلیجے میں اس طرح ہول پیدا کرنے لگی کہ وہ

بے اختیار پیڑ کی آڑ سے نکل کر ہنڈیا کے پاس جا پہنچا۔ اس وقت اُسے اتنی زیادہ بھوک لگی ہوئی تھی کہ اگر وہ ہنڈیا پیڑ کے تنے کے بجائے پری کے سر پر بھی رکھی ہوتی تو بھی وہ ایک جھٹکے سے ہنڈیا چھین لیتا۔"

"او۔۔۔۔۔ او۔۔۔۔۔ او۔۔۔۔۔" پری نے کہا اور کمار کا ہاتھ پکڑ کر اسے زمین پر بچھے ہوئے سرخ پٹکے پر بٹھا دیا۔ ہنڈیا کا ڈھکنا بھی پری نے اپنے ہاتھ سے اتارا اور پھر بھری پُری ہنڈیا کمار کے سامنے رکھ دی۔ کمار اپنی بھوک پر شرما گیا اور اس میں آنکھ اٹھا کر پری کی طرف دیکھنے کی جرأت نہ ہوئی

لیکن وہ دونوں ہاتھوں

سے ہنڈیا میں سے پکوان نکال کر کھانے لگا۔ کمار جب پیٹ بھر کر کھا چکا تو اس نے شرمائی سی آنکھوں سے پری کی طرف دیکھا اور دیکھتا رہ گیا ۔ اس کے سامنے الکا کھڑی تھی۔

کمار جب سو کر اٹھا تو اس نے ہاتھ سے اپنے بدن کو چھو کر دیکھا۔ اس کی کمر میں کوئی رسّا نہیں بندھا ہوا تھا لیکن اسے محسوس ہوا کہ الکا ساری کی ساری ایک رسّا بن گئی تھی جو رات کو سپنوں میں بھی اس کے ساتھ بندھی رہتی تھی ۔

آج کمار نے سوچا کہ سپنوں کو ملنے کے بجائے اور اُن کی ضد پوری کرنے کے بجائے وہ ایک دم بے لحاظ ہو کر ان سپنوں کو پورا کرنے سے انکار کر دے گا۔ ندی کا سپنا اس نے پورا کر کے دیکھ لیا تھا۔ کچھ نہ بنا تھا۔ سپنے اب بھی اس کے پیچھے پڑے

ہوئے تھے.....

صبح جب الکا آئی کمار نے الماری میں سے ایک چرواہن کی پوری پوشاک باہر نکال رکھی تھی۔ یہ پوشاک بہت دن پہلے کمار نے ایک میلے میں خریدی تھی کہ کسی دن وہ الکا کو یہ پوشاک پہنا کر ایک تصویر پینیٹ کریگا۔ کمار نے ایزل پر نیا کینوس لگا دیا۔

"غسلخانے میں جاکر کپڑے بدل لو۔"

"اچھا۔"

"یہ جوتی کچھ بڑی لگتی ہے لیکن کوئی حرج نہیں۔"

"یہ قمیص بھی کھلی ہے۔"

"یہ کھلی ہی ہوتی ہے۔ مگر کمر کے گرد جب یہ کالی رسّی بندھ جائے گی تو یہ کھلی نہیں لگے گی۔"

الکا جب کپڑے بدل کر آئی تو اس کے بال کھلے ہوئے تھے کھلے بالوں سمیت کمار کی کرسی کے آگے گھٹنوں کے بل بیٹھتی ہوئی بولی۔ "پیچھے سے چوٹیاں بنا دیجئے جیسی کہ چرواہنوں کی لمبی لمبی چوٹیاں ہوتی ہیں۔"

کمار نے کہا نہیں۔ مگر کمار کے ہاتھوں نے لمحہ بھر کے لئے کہنا ماننے سے انکار کر دیا۔ لیکن پھر دوسرے ہی لمحے کمار نے چپ چاپ الکا کی چوٹیاں بنا دیں۔

"پٹکا میں خود ہی باندھ لیتی ہوں لیکن یہ رسّی مجھ سے ٹھیک طرح نہیں بندھے گی۔"

الکا نے کہا اور کالی ریشمی رسّی کمار کے ہاتھ میں تھما دی۔

کمار نے جب الکا کے گرد باہیں ڈال کر رسّی کو لپیٹا تو اس نے چونک کر الکا کے چہرے

کی طرف دیکھا۔ الکا کے پورے جسم سے وہی مہک آ رہی تھی' جو رات کمار کو سپنے کی ہنڈیا میں آئی تھی۔

کمار نے ایک بار دانت کٹکٹا کر الکا کی کمر کے گرد رسی باندھ دی لیکن اُسے محسوس ہوا کہ اسے بہت بھوک لگی ہوئی تھی۔ صبح کا ناشتہ کئے ابھی آدھا گھنٹہ بھی نہیں ہوا تھا لیکن پیٹ سے کیا ہوا ناشتہ نہ جانے کہاں غائب ہو گیا تھا۔

"کام کرنے سے پہلے کچھ کھا پی لیں۔ کیا تمہیں بھوک نہیں؟"

"میں ابھی ناشتہ کر کے آئی ہوں۔"

"ناشتہ تو میں نے بھی کیا تھا۔"

"کافی بنا دوں؟"

"نہیں کچھ نہیں چاہئے۔"

کمار نے ایک طرح کی ضد میں آ کر کچھ بھی کھانے اور کچھ بھی پینے سے انکار کر دیا اور اپنے برش رنگ میں ڈبونے لگا۔

رنگوں نے اور رنگوں میں سے اُبھرتی ہوئی تصویر نے کمار کی ضد پوری کر دی۔ ڈھائی گھنٹے گذر گئے۔ کمار کو بھوک کا احساس بھولا رہا لیکن پھر ایک عجیب بات ہوئی۔ جونہی کمار کو اس تصویر میں ایک ہنڈیا بنانے کا خیال آیا تو بھوک پھر سے جاگ اٹھی اور اس کے کلیجے کو مسوسنے لگی۔

"مجھے کافی بنا دو الکا! اگر بیرا کہیں باہر نظر آتا ہے تو اسے کہہ دو نہیں تو خود بنا دو"

ہریا کمار کا پہاڑی نوکر تھا۔ چائے کافی بناتے بناتے رفتہ رفتہ سب کچھ سیکھ گیا تھا لیکن اس کا زیادہ وقت پانی بھرنے میں نکل جاتا تھا۔ پینے کا پانی کمار جس چشمہ سے منگوایا کرتا تھا وہ چشمہ بہت دور تھا اس لئے الکا کو ہی وقت بے وقت چائے وغیرہ بنانا پڑتی تھی۔

الکا جب کافی بنا کر لائی تو کمار نے کافی کے پیالے کو سونگھ کر دیکھا۔ پیالے میں سے کافی کی مہک آنی تھی سو آئی لیکن کمار نے ایک گہرا سانس کھینچ کر تین چار بار الکا کے ہاتھوں کو سونگھا۔ الکا کے ہاتھوں سے بدستور وہی مہک آ رہی تھی جو رات کمار کو سپنے کی ہنڈیا میں سے آئی تھی اور کمار کو خدشہ ہوا کہ جس طرح رات اس نے ہنڈیا کے پکوان کو بے صبری سے کھایا تھا اسی بے صبری سے کہیں الکا کے جسم کو نہ کھانے لگے۔

لیکن آج کمار نے سپنوں کے تئیں بے مروت ہونے کی ضد پکڑ رکھی تھی۔ کافی کا بڑا سا گھونٹ بھر کر کمار نے کہا۔

"اگر تمہیں زندگی بھر یہی پوشاک پہننی پڑے الکا؟"

"تو میں الکا عرف چہرواہن بن جاؤں گی جس طرح الکا عرف جنتی بنی تھی یا الکا عرف ڈیول بنی تھی۔"

"الکا عرف پری — رات سپنے میں میں نے تمہیں ایک پری سمجھا تھا۔"

"پری کا مطلب ہوتا ہے پروں والی۔ پھر آپ نے غصے میں آ کر پری کے پر نہیں توڑے؟"

کمار لمحہ بھر کے لئے سوچ میں پڑ گیا لیکن پھر شکست خوردہ مسکراہٹ کے ساتھ بولا "تم مجھے کیا سمجھتی ہو الکا؟ کیا میں بہت بے رحم ہوں۔"

"رحم کی تو مجھے کبھی ضرورت نہیں پڑی اس لئے کسی کے رحمدل ہونے یا بے رحم ہونے سے مجھے کچھ فرق نہیں پڑتا"

"لیکن تم یہ تو سوچتی ہو کہ میں پری کے پر توڑ دینے والا آدمی ہوں۔"

"ضرورت پڑے تو اپنے پیر بھی توڑ دینے والا آدمی۔"

کمار خاموش رہا۔ پھر آہستہ سے بولا "یہ تم نے ٹھیک کہا ہے الکا جس راستے پر میں جانا نہ چاہوں، اگر میرے پیر اس میں کہا نہ مانیں تو میں اس قسم کا آدمی ہوں جو اپنے پیر توڑ سکتا ہے۔"

"میں جانتی ہوں۔"

"رات سپنے میں میں نے دیکھا تھا کہ میں جنگل میں بھیڑیں چرا رہا تھا۔۔۔ صبح اٹھ کر مجھے محسوس ہوا جیسے میری سب تصویریں بھیڑیں بن گئی ہیں۔۔۔۔ میں تصویروں کو بھیڑیں نہیں بننے دوں گا۔۔۔ تم نے ایک دن کہا تھا کہ سپنے کے پیر سیدھے ہوتے ہیں اور خیالوں کے پیر الٹے ہوتے ہیں۔"

نہیں سپنوں کے الٹے ہوتے ہیں۔ اور خیالوں کے سیدھے۔"

"شرط لگا لیجئے لیکن مجھے ڈر ہے کہ یہ شرط کہیں الٹی نہ پڑ جائے۔"

"کس طرح؟"

"یہی کہ شاید اس کا الٹا سیدھا دیکھنے میں ہی ساری عمر گزر جائے۔"

"میرے پاس اتنی فالتو عمر نہیں ہے کہ میں اسے اس کا الٹا سیدھا دیکھنے میں گزار دوں۔ میں بہت کام کرنا چاہتا ہوں۔"

"اور کام سپنوں کے سیدھے پیروں سے نہیں ہو سکتا۔ نہ سیدھے پیروں سے اور نہ سیدھے ہاتھوں سے"

"جو ہاتھ جسموں کے کھیلوں میں مصروف ہو جائیں وہ کام نہیں کر سکتے میں جسم کے اندھیروں میں خود کو کھونا نہیں چاہتا۔"

"میرے خیال میں زندگی کا راستہ جسم کی روشنی میں ملتا ہے۔"

"روشنی دل کی ہوتی ہے الکا جسم کی نہیں۔"

"جس جسم میں دل روشن ہو وہ جسم اندھیرا نہیں ہو سکتا۔"

ظاہراً طور پر الکا کی بات وزنی معلوم ہونے لگی تھی اس لئے کمار جھنجھلا اٹھا۔ الکا سے اس نے یہ بات اس لئے نہیں چلائی تھی کہ وہ اپنا نکتہ نظر الکا کو سمجھا سکے یا الکا کا نکتہ نظر سمجھ سکے لیکن بات نے از خود یہ موڑ لے لیا تھا اس لئے کمار نے بات کا رخ بدل دیا۔ وہ خود جھنجھلایا ہوا تھا اس لئے وہ چاہتا تھا کہ الکا بھی جھنجھلائے۔ بولا۔

"جسم اندھیرا ہو یا روشن لیکن تم آج بیس روپے نہیں کما سکو گی۔"

"نہ سہی"

"یہ اس دن کے ندی والے بیس روپے لے لو۔"

"اچھا"

"اب شاید کبھی نہ کما سکو۔"

"نہ سہی۔"

"پھر کیا کرو گی ؟"

"بیروزگار لوگ کیا کرتے ہیں ؟ کچھ نہیں کرتے۔"

کمار کا خیال تھا کہ اس نے الکا کو بہت تکلیف دہ بات کہی تھی اس لئے الکا فوراً روہانسی ہو جائے گی۔ اگر اس کی آنکھوں میں آنسو نہیں آئیں گے تو کم از کم اس کی زبان میں ضرور آنسو آجائیں گے لیکن کمار نے دیکھا کہ الکا بڑے اطمینان کے ساتھ اپنی بانہہ میں سے چاندی کے نکل نکل پڑتے بند کوزوں سے ہلا رہی تھی اور باہر برآمدے میں پانی کا گھڑا لے کر آتے ہوئے ہریا سے کہہ رہی تھی کہ وہ کافی کے خالی برتن اٹھا کر لے جائے۔

کمار کو اپنے کہی ہوئی بات پر ندامت محسوس ہونے لگی اور وہ اس بات کے بار کو کم کرنے کے لئے الکا سے کہنے لگا۔

"ادھر دیکھو روشنی کی طرف۔"

"کیوں"

"تمہاری آنکھوں میں آنسو آ گئے ہیں۔"

"کس بات کے لئے ؟"۔

"میری بات تمہیں رُلانے والی تھی۔"

"ہو گی، لیکن میں رو نہیں سکتی۔"

"کیوں ؟"

"کیونکہ جس دن میں اس راستے پر چلی تھی آنکھوں کے سارے آنسو پینے کے بعد چلی تھی۔"

"الکا!"

الکا نے کوئی جواب نہیں دیا اور پہاڑی کپڑے اُتار کر اس نے اپنے پہلے والے کپڑے پہن لیئے۔ الکا جب وہاں سے چلی گئی تو کمار کو محسوس ہوا کہ بیگانگی کا یہ راستہ جو الکا کے خشک آنسوؤں سے بھیگا ہوا تھا بڑا پھسلتا راستہ تھا اور کسی دن۔۔۔ کسی راستے پر سے کمار کا پاؤں ضرور پھسل جائے گا اور وہ اپنائیت کی گہری گھاٹیوں میں جا گرے گا۔

۵

دوسرے دن صبح جب الکا آئی تو کمار خلافِ معمول اپنے میز پر کام نہیں کر رہا تھا چارپائی پر لیٹے ہوئے کمار نے اپنا سر چارپائی کے پائے پر رکھا ہوا تھا۔ ایک ہاتھ سے وہ پائے کو اس طرح سہلا رہا تھا جیسے کافی دیر سے وہ اس پائے سے اپنے دکھ سکھ کی باتیں کر رہا ہو۔

"کیا طبیعت ٹھیک نہیں ہے؟"

"ٹھیک ہے۔"

"رات دیر تک کام کرتے رہے تھے؟"

"نہیں"

"کچھ پڑھتے رہے تھے؟"

"نہیں — ویسے ہی نیند اچٹ گئی تھی۔

راتیں چاہے اندھیری ہوں چاہے چاندنی، کمار رات کو پہاڑ کی پگڈنڈیوں پر گھومنے کا عادی تھا اور اکیلے گھومنے کا عادی تھا۔ کبھی کبھار الکا کے چوبارے کے سامنے سے گذرتے ہوئے وہ الکا کو آواز دے دیا کرتا لیکن پچھلے کئی دن سے اس نے الکا کو آواز نہیں دی تھی۔

"تم پرسوں شام کو کیا کر رہی تھیں؟"

"پرسوں ــــ؟ جو ہر روز کرتی ہوں۔"

"روز شام کو کیا کرتی ہو؟"

"کچھ بھی ــــ کبھی عورتوں کے ساتھ چشمے پر پانی لینے چلی جاتی ہوں۔"

"تم خود پانی لینے جاتی ہو؟ وہ بنئے کا لڑکا تمہارے لئے پانی لایا کرتا تھا۔"

"اب بھی لاتا ہے۔ ویسے ہی کبھی کبھی مجھے عورتوں کا ساتھ اچھا لگتا ہے۔ جب وہ پانی لینے جاتی ہیں تو بڑے اچھے اچھے گیت گاتی ہیں۔"

"تم بھی ان کے ساتھ گاتی ہو؟"

"کبھی کبھی۔"

"اور کیا کرتی ہو شام کو؟"

"کئی بار میں اُن سے غالیچہ بننا سیکھتی ہوں۔"

"وہ کس لئے؟"

"غالیچے میں جب پھول اُبھرتے ہیں تو مجھے اچھے لگتے ہیں۔"

"اور؟"

"کئی بار ناتی اور راسو مجھ سے پڑھنے کے لئے آجاتی ہیں۔"

"کیا پڑھتی ہیں وہ؟"

"اُن کے شوہر فوج میں گئے ہوئے ہیں۔ ان کا جی چاہتا ہے کہ وہ اپنے خاوندوں کو اپنے ہاتھ سے خط لکھیں۔"

"تم کل شام کو کیا کر رہی تھیں؟"

"کل۔؟ سالیا کے بوڑھے باپ کے گھٹنوں پر تیل ملتی رہی تھی۔ اس کے گھٹنے بُری طرح سوجے ہوئے تھے۔"

"تم نے ان سب سے رشتے قائم کر لئے ہیں۔..... کتنی آسانی سے تم یہ رشتے قائم کر لیتی ہو۔... تم فوراً کسی کو بہن بنا لیتی ہو، کسی کو اماں کسی کو بابو۔... پرسوں میں باولی کے پاس سے گذر رہا تھا۔ میرے پیروں کی چاپ سن کر کرمے کی اندھی ماں مجھ سے تمہارے بارے میں پوچھنے لگی۔ اُسے بہت گلہ تھا کہ تم اس کے پاس پچھلے تین دن سے نہیں گئیں۔ اس کی بیٹی اس کا مذاق اُڑا رہی تھی کہ تین دن سے اماں کی لاٹھی کھوئی ہوئی تھی۔ — لیکن اِلکا۔"

"جی۔"

"تمہارا اور میرا کیا رشتہ ہے؟"

"بیس روپے کا رشتہ۔"

کمار نے ایک آہ بھری اور تکیئے کے نیچے ہاتھ ڈال کر بیس روپے نکالے۔

"یہ لو اپنے بیس روپے۔"

"لیکن آپ نے تو کہا تھا کہ اب میں کبھی یہ روپے نہیں کما سکوں گی۔"

"کہا تھا — لیکن . . . ."

"مجھے روزگار چھوٹنے کا کوئی گلہ نہیں۔"

"آگے کا مجھے کچھ معلوم نہیں ہے لیکن یہ میں نے تمہارے پچھلے دینے ہیں۔"

"پچھلے؟"

"ہاں"

"کب کے؟"

"رات کے!"

"آج رات کے، یعنی پچھلی رات کے؟"

"ہاں"

"وہ کس طرح؟"

"میرا وعدہ تھا کہ مجھے جب بھی تمہارے جسم کی ضرورت پڑے گی میں بیس روپے سے اس ضرورت کی قیمت چکاؤں گا۔"

"ہاں — لیکن رات میں یہاں آپ کے پاس نہیں تھی۔"

"تم رات یہیں تھیں اُلکا، ساری رات یہیں تھیں۔"

"سپنے میں؟"

"ہاں سپنے میں۔"

"الکا کھلکھلا کر ہنس پڑی۔"

"یہ ہنسنے کی بات نہیں ہے الکا۔ جس وعدے کو کوئی دن میں پورا کرے اور رات کو خود ہی اس وعدے کے سامنے جھوٹا پڑ جائے، اُسے کیا کہا جائے۔"

"اسے یہ کہا جائے کہ وہ اپنے آپ سے غلط وعدہ نہ کیا کرے۔"

"میں غلط اور صحیح کی بحث میں نہیں پڑنا چاہتا لیکن جو وعدہ میں نے اپنے آپ سے کر رکھا ہے اسے میں ضرور پورا کروں گا۔ اگر میرے سپنے میرے وعدے میں خلل ڈالیں گے تو میں اس کی قیمت ادا کروں گا۔"

"پھر تو میرا روزگار پکا ہو جائے گا۔"

"تمہارا مطلب ہے کہ مجھے ایسے سپنے روز آیا کریں گے؟ یو ڈیول....."

"میرا یہ نام پرانا ہو گیا ہے، آج کوئی نیا نام رکھنا چاہیے تھا۔"

غصّے سے کمار کے ہاتھ کانپنے لگے۔ چارپائی کے پائے کو اس نے دونوں ہاتھوں سے اس طرح دبایا کہ اگر پائے کے بجائے اس کے ہاتھوں میں الکا کا گلا ہوتا تو وہ سچ مچ گھُٹ گیا ہوتا۔

"کسی چیز کا کوئی بدل نہیں ہوتا..." الکا نے ہنس کر کہا اور چارپائی کے پائے کے پاس بیٹھتے ہوئے بولی۔ "اگر میرا گلا دبانے کو جی چاہتا ہے تو دبا دیجئے لکڑی

کے پائے سے کیوں اپنے ہاتھ چھیلنے ہیں"۔

کمار نے سچ مچ ہی چارپائی سے اُٹھ کر دونوں ہاتھوں سے الکا کا گلا دبوچ لیا ہاتھوں کے چھونے کی دیر تھی کہ کمار کو محسوس ہوا جیسے اس کے ہاتھ غصے سے نہیں الکا کے انگ انگ کو چھونے کی تڑپ سے کانپ رہے تھے۔

کمار کے ہاتھ اس طرح ٹھٹھک کر الکا کی گردن سے الگ ہو گئے جیسے وہ بھوبھل سے آگ کی لپیٹ سے چھو گئے ہوں"۔

"مائی گاڈ......" کمار نے اپنے ماتھے پر سے گھبراہٹ کی بوندیں پونچھیں

"آخر بھگوان کو یاد کرنے کا بھی کوئی وقت چاہیے"۔ الکا ہنس پڑی۔

"تمہارا بس چلے تو تم مجھے وان گاگ بنا ڈالو"۔

"وان گاگ؟"

"ایک بار وہ ایک لڑکی سے ملنے کے لئے گیا تھا...."

"پھر؟"

"اسے دیکھ کر لڑکی کے باپ نے لڑکی کو دوسرے کمرے میں بھیج دیا"۔

"پھر؟"

"رات کا وقت تھا۔ میز پر موم بتی جل رہی تھی۔ وان گاگ نے موم بتی کی لَو پر اپنا ہاتھ رکھ دیا"۔

"کیوں؟"

"اس نے لڑکی کے باپ سے کہا تھا کہ وہ جتنی دیر تک موم بتی کی لَو پر اپنا ہاتھ رکھ سکتا ہے، اتنی دیر کے لئے وہ لڑکی اس کے سامنے کھڑی ہو جائے...... تم اس دیوانگی کو سمجھ سکتی ہو۔"

"ہاں"

"میں نہیں سمجھ سکتا۔"

"اس لڑکی کا باپ بھی نہیں سمجھ سکا ہو گا۔"

"ہاں، وہ بھی نہیں سمجھ سکا تھا۔ کمرے میں جب جلتے ہوئے گوشت کی بو پھیل گئی تو لڑکی کے باپ نے ہاتھ مار کر موم بتی بجھا دی اور اس دیوانے کو کمرے میں سے باہر نکال دیا۔"

"اپنی دیوانگی کی قیمت خود ہی چکانا پڑتی ہے۔"

"لیکن میں یہ قیمت چکانے پر تیار نہیں۔ یہ دیوانگی مجھے قطعی قبول نہیں۔"

"یہ دیوانگی ہر کسی کے حصے میں نہیں آتی۔ وان گاگ اور الکا جیسے لوگ کبھی کبھی ہی پیدا ہوتے ہیں۔"

الکا نے جب خود کو وان گاگ کے ہم پلّہ ٹھہرایا تو کمار کو ہنسی آ گئی۔

"اگر تم وان گاگ کے زمانے میں پیدا ہوئی ہوتیں تو بیچارے کو اتنے دکھوں میں سے نہ گزرنا پڑتا۔"

"شاید میں اس جنم میں اس لڑکی کا ہی حساب چکتا کر رہی ہوں جس نے جلتے

ہوئے گوشت کی بو سونگھ لی تھی لیکن جو ساتھ کے کمرے سے نکل کر نہیں آئی تھی۔"

"یو آر کمریزی۔"

"صرف اتنا خیال رکھئے گا کہ کمریز، چھوت کی بیماری ہوتی ہے۔"

"یہ چھوت کی بیماری تمہیں اور وان گاگ کو ہی ہو سکتی ہے مجھے نہیں ہو سکتی۔"

کمار نے بڑی لاپرواہی سے الکا کا ہاتھ پکڑا۔ ہاتھ کو پہلے اپنے ماتھے سے لگایا پھر اپنی آنکھوں، پھر اپنے ہونٹوں سے اور پھر اپنی گردن سے اور پھر کہنے لگا۔

"میں تمہارے ہاتھوں کو چاہے ایک بار چھوؤں، چاہے ایک ہزار بار مجھے یہ چھوت کی بیماری نہیں ہو سکتی۔"

"یہ بیماری ہونی ہو تو بغیر چھوئے ہی ہو جاتی ہے ۔۔۔" الکا نے بھی لاپرواہی سے جواب دیا۔

ہوا بڑی تیز چل رہی تھی۔ الکا کی پشت کھڑکی کی طرف تھی۔ الکا نے اگرچہ اپنے بالوں کو کئی بار اپنے کانوں کے پیچھے اڑسا تھا لیکن ماتھے کی چھوٹی لٹیں ٹکتی نہیں تھیں۔ کمار نے آگے بڑھ کر الکا کے ماتھے پر بکھرے ہوئے بالوں کو اپنی مٹھی میں بھرا اور پھر اس کے ہونٹوں کے سانسوں میں سے ایک گہرا سانس بھر کر کہنے لگا۔

"کوئی بھی جراثیم مجھ پر اثر نہیں کر سکتا۔"

"جراثیم اتنے سانسوں میں نہیں ہوتے جتنے خیالوں میں ہوتے ہیں۔" الکا نے کہا اور ساتھ کے کمرے میں جاتی ہوئی بولی "آؤ کام کریں۔"

کمار کے قدم ایک عادت کی طرح ساتھ کے کمرے کی طرف چل دیئے۔ اس کے ہاتھوں نے ایک عادت کی طرح میز کی بتی جلائی لیکن اسے کچھ ایسا احساس ہوا کہ ابھی وہ اس کمرے میں نہیں آیا تھا۔ ابھی وہ اپنے سونے کے کمرے میں ہی کھڑا تھا۔

"میرا خیال ہے کہ مجھے بیس روپے اور خرچ کرنے پڑیں گے"۔ اس نے کہا اور الکا کا ہاتھ پکڑ کر اسے پھر پہلے والے کمرے میں لے گیا۔

کمار نے کمرے کا دروازہ بند کر دیا اور کھڑکی کے پردوں کو ٹھیک کرتے ہوئے بولا "یہ صرف جسم کی محتاجی ہے الکا اور کچھ نہیں۔ اگر تمہاری جگہ اس وقت کوئی اور عورت ہوتی تو بھی اسی طرح ہوتا"۔

کمار کی بات بڑی غیر فطری تھی، بڑی غیر انسانی۔ الکا کی جگہ اگر کوئی اور عورت ہوتی تو وہ اس بات کو برداشت نہ کر پاتی لیکن الکا نے نہ صرف اس بات کو برداشت کیا بلکہ اسے سمجھا بھی اور چپ چاپ اپنے کپڑے اتارنے لگی۔

"سمجھیں؟" کمار نے پوچھا۔

"میں سمجھ گئی ہوں لیکن آپ نہیں سمجھے"۔

"میں نہیں سمجھا؟ میں کیا نہیں سمجھا؟"

"اپنی بات کو"۔

"میں اپنی بات کو نہیں سمجھا؟"

"آپ یہ بھی نہیں سمجھے کہ آپ نے یہ بات کیوں کہی ہے؟ آپ کو یہ بات کہنے کی

ضرورت ہی کیوں محسوس ہوئی۔ اگر میری جگہ کوئی دوسری عورت ہوتی تو آپ کو کبھی یہ کہنے کا خیال نہ آتا۔"

"کیونکہ کوئی بھی ایسے وقت میں ایسی بات نہیں کہتا۔"

"اس لئے کہ لوگوں کے دل کا کوئی رشتہ نہیں ہوتا صرف گھڑی دو گھڑی کے لئے وہ رشتے کے وہم میں مبتلا ہونا چاہتے ہیں۔ یہ وہم خاموش رہنے سے ہی ہو سکتا ہے۔ اس لئے لوگ خاموش رہتے ہیں۔ . . . لیکن جب کسی کو رشتے سے خوف آتا ہو تو خاموشی اس خوف کو بڑھا دیتی ہے اور اسی لئے اسے بولنا پڑتا ہے، خوف کو توڑنا یا دور کرنا پڑتا ہے۔"

"لیکن بیس روپے کا رشتہ کوئی ایسا رشتہ نہیں ہو سکتا، جس سے کسی کو خوف آئے بیس روپے دیئے رشتہ قائم، نہ دیئے رشتہ ختم۔"

"آپ جیسے چاہیں سوچتے رہئے لیکن کئی رشتے ایسے بھی ہوتے ہیں جو نہ تو لفظوں کی پکڑ میں آسکتے ہیں اور نہ ہی پیسے کی پکڑ میں۔"

کمار نے ایک ہاتھ سے الکا کو اپنی طرف کھینچا لیکن اس کی بات سن کر دوسرے ہاتھ سے اسے پرے ہٹا دیا اور اس نے سوچا کہ جو رشتہ لفظوں کی پکڑ میں نہیں آسکتا اسے باہوں کی پکڑ میں بھی نہیں آنا چاہیئے . . . ."

رشتہ دکھائی نہیں دیتا تھا لیکن جسم دکھلائی دیتا تھا۔ رشتہ نہ جانے کتنی دور تھا لیکن جسم بہت قریب تھا — "رشتہ کو تم ڈھونڈتی رہو، مجھے صرف تمہارا جسم چاہیئے۔" کمار نے کہا اور الکا کی بانہہ کو اس مضبوطی سے پکڑا کہ کہیں اب وہ انکار نہ کر دے۔

کمار کی کہنی الکا کی پسلیوں میں چبھ رہی تھی ۔اس بارے میں الکا نے کہا تو کچھ نہیں لیکن کمار سمجھ رہا تھا کہ اسے سانس لینا دشوار ہو رہا ہے

بڑی دشواری سے سانس لیتے ہوئے الکا کے ہونٹوں کو کمار نے

اس طرح اپنے ہونٹوں میں کس جیسے وہ الکا کے سانس توڑ دینا چاہتا ہو الکا کا وجود کمار کی ضرورت بنا ہوا تھا' اسی وجود سے وہ دکھی ہو رہا تھا۔ کمار کو اپنی نسوں میں ابلتا ہوا خون آگ کی طرح گرم لگ رہا تھا اور آج جوں جوں وہ الکا کے ملائم جسم کو اپنے لوہے کی طرح جلتے ہوئے جسم سے لگا رہا تھا' اسے سوچ پر سوچ آ رہی تھی کہ یہ نازک سی لڑکی اس لوہے سے ٹوٹتی کیوں نہیں ؟

کمار جل جل کر ہار گیا اور پھر روشندان سے آتی ہوئی سورج کی ایک کرن میں اس نے دیکھا کہ الکا جوں کی توں ریشم کے ایک گچھے کی طرح اکٹھی ہو کر اس کی باہوں میں پڑی تھی۔

کمار نے جب کپڑے پہن کر کمرے کی الماری کھولی تو الماری میں سے بیس روپے نکال کر الکا کو دیتے ہوئے اس نے کوئی ایسی بات کہنی چاہی جو الکا کو ناگوار معلوم ہو لیکن اسے اس قسم کی کوئی بات نہیں سوجھی ۔ بات تو نہیں سوجھی لیکن اس کے ہونٹوں پر بھی ایک مسکراہٹ ابھر آئی..... لیکن ایسی مسکراہٹ جو ساری توہین کو پی کر ایک قسم کے فخر سے بھر گئی ہو۔

"چالیس روپے روز۔ بیس رات کے سپنے کے اور بیس دن کو سپنا پورا کرنے کے" الکا نے کہا۔

"تمہارا خیال ہے کہ تم روز رات کو میرے پاس ایک سپنا بیچ سکو گی ؟ مجھے آج

کے بعد تمہارا کوئی سپنا نہیں آئے گا۔"

"تو پھر روز رات کو جاگتے رہیے گا۔" الکا نے کہا اور چارپائی پر سے اٹھ کر کپڑے پہننے لگی۔

دوپہر تک الکا جس طرح چپ چاپ کام کرتی رہی، دوپہر کے بعد اسی طرح چپ چاپ اٹھ کر چلی گئی۔

کمار نے کھانا کھایا۔ چند گھنٹے آرام کیا اور پھر دن ڈھلتے ہی سامنے کے پہاڑ پر ٹہلنے کے لئے چلا گیا۔

رات گہری ہو گئی تھی۔ جب کمار واپس لوٹا۔ ہربالا نے روز کی طرح کھانا بنا کر چولہے کی دھیمی آنچ کے پاس رکھا ہوا تھا۔ کمار نے کھانا کھایا اور جب وہ اپنی چارپائی پر لیٹا تو اسے آنے والی نیند سے خوف سا محسوس ہونے لگا۔ وہ سہم کر چارپائی سے اٹھ بیٹھا۔ اسے لگا کہ اگر وہ سو گیا تو نیند سے بھیگی ہوئی پگڈنڈی پر سے پھسل کر سپنے کے گہرے کنویں میں جا گرے گا۔

۶

اپنی بھرپور جوانی کے دن کمار نے بہت آسانی سے گذار لئے تھے۔ دولت اُسے ہمیشہ ایسے لگتی تھی جیسے اپنے فن کے عوض اس نے یکبارگی روٹی کپڑے کا ذمہ اسے سونپ دیا ہو اور پھر بار بار اسے کچھ کہنے کی ضرورت نہ رہی ہو۔ دولت نے خود ہی زحمت کر کے کمار کے لئے اس پہاڑی وادی میں ایک مکان بنا دیا تھا ورنہ کمار اس کے لئے بھی نہ کہتا۔ اپنی

شہرت اُسے ہمیشہ اس طرح لگتی جیسے کوئی بوڑھی ماں زیادہ عرصہ اپنے بگڑے ہوئے بیٹوں کے پاس رہتی ہے کیونکہ انہیں دنیاداری کی زیادہ ضرورت ہوتی ہے لیکن کبھی کبھی وہ اپنے نیک بیٹوں کے پاس آکر اپنا دکھ سکھ بیان کر جاتی ہے اس لئے وہ جب بھی آیا کرتی تھی کمار اس کے پاس بیٹھ کر اس کی باتیں سن لیا کرتا تھا اور وہ جب بھی جانا چاہتی تھی، کمار اس کی گٹھڑی اٹھا کر اسے موڑ تک چھوڑ آیا کرتا تھا ۔ یہ سب کچھ اب بھی ویسے ہی تھا جیسے کمار کی جوانی کے زمانے میں ۔ لیکن کمار کی جوانی کو اس کی جس جسمانی بھوک نے کبھی نہیں ستایا تھا وہ اب کمار کو ستانے لگی تھی۔ اس بھوک کا بھی کمار کو اتنا دکھ نہیں تھا اگر اسے معلوم ہوتا کہ یہ صرف جسمانی بھوک تھی۔ وہ ہنس کر اس بھوک کو ختم کر دیتا جلدی ختم نہ ہوتی دیر سے ہو جاتی لیکن ختم ضرور ہو جاتی لیکن کمار کے دل کی گہرائیاں اس بات سے بیحد خوفزدہ تھیں کہ جسم کی یہ بھوک صرف الکا کے جسم کی بھوک تھی جس کا مطلب یہ تھا کہ وہ الکا سے محبت کرنے لگا تھا۔ اور الکا سے محبت کرنے کا مطلب یہ تھا کہ عمر بھر کے لئے اس کے خیالات اور اس کے سپنے الکا کے رحم و کرم کے محتاج ہو جائینگے ۔ کمار نے ہمیشہ ان لوگوں کو کوسا تھا جنہوں نے اپنے سپنوں کو چاندی سے تول دیا تھا یا شہرت کے ہاتھ بیچ دیا تھا۔ یا کسی سے محبت کر کے ہمیشہ ہمیشہ کے لئے اس کی نظر کے محتاج ہو گئے تھے ۔

الکا نے دولت، شہرت اور عورت کا جو فرق کمار کو بتایا تھا۔ کمار اس سے ناواقف نہیں تھا۔ دولت اور شہرت کی غلامی سے محبت کی غلامی کا موازنہ نہیں کیا جا سکتا کیونکہ جب کوئی محبت کے ہاتھ اپنی آزادی بیچتا ہے تو آنسوؤں کے بھاؤ بیچتا ہے۔ ۔ ۔ لیکن کمار

کو کسی کے رحم پر زندہ رہنا پسند نہیں تھا نہ پیسے کے رحم پر نہ شہرت کے رحم پر اور نہ ہی عورت کے رحم پر۔

اسی دوران میں کمار کو دلی سے اس کے ایک دوست کا خط ملا کہ دلی میں اس نے ایک بہت بڑا ہوٹل بنانے کا ٹھیکہ لیا تھا چند برس پہلے ایک نمائش کے سلسلہ میں کمار کے اسی دوست نے کمار کو بلوا کر تین مہینے تک اپنے پاس رکھا تھا۔ کمار کی مدد سے اس نے پورے ستر ہزار روپے کمائے تھے۔ کمار نے اس کے لئے کئی پویلین بنائے تھے اور کمار کے حصے کے طور پر اس کے دوست نے اس پہاڑی وادی میں بہت سی زمین لے کر اسکے لئے ایک اسٹیڈیو بنا دیا تھا۔ اب پھر اسی دوست کا خط آیا تھا۔ اور وہ کمار کو دو مہینے کیلئے دلی بلا رہا تھا۔ کمار کو اگرچہ پیسے کی زیادہ ضرورت نہیں تھی لیکن وہ کچھ عرصے کیلئے الکا سے دور رہ کر اپنی دلی حالت کا جائزہ لینا چاہتا تھا۔ اس لئے اس نے دلی جانے کا فیصلہ کر لیا۔

پورے تین دن تک کمار نے اس بارے میں الکا کو کچھ نہیں بتایا لیکن آخر بتانا ہی تھا۔

"آپ جائیے میں یہیں رہوں گی۔ میں امرتسر نہیں جاؤں گی" الکا نے کہا۔

"لیکن تم دو مہینے کے لئے وہاں کیوں نہیں چلی جاتیں۔ تمہارے پتا جی نے تمہیں کئی بار بلا بھیجا ہے۔"

"دو تین دن کے لئے چلی جاؤں گی۔ مل ملا کر لوٹ آؤں گی۔"

"لیکن یہاں اکیلی کیا کرو گی؟"

"آپ نے ایک بار کہا تھا کہ اگر کبھی کچھ پیسے آگئے تو باغ کے پرے کونے میں سیٹھوں

کی کچھ جھونپڑیاں بنائیں گے۔"

"میں ان لوگوں کے بارے میں سوچتا ہوں جو کبھی اس وادی میں رہ کر کوئی کام کرنا چاہتے ہیں۔"

میں بھی ان لوگوں میں سے ہوں۔ میں یہاں آزاد رہنا چاہتی ہوں۔ کسی کے گھر میں کرائے کا کمرہ لے کر رہنے کو اب میرا جی نہیں چاہتا۔"

"لیکن تم یہاں کتنے دن تک رہوگی الکا! اور چھ مہینے یا ایک سال۔ تمہارے پتا جی اب تمہاری شادی کرنا چاہتے ہیں۔"

"میں تو رہوں گی" میرے جیسا کوئی اور رہے گا لیکن اب آپ کے پاس پیسے آجائیں گے، وہ جھونپڑیاں ضرور بنا دیجئے۔"

"واپس آنے پر سوچوں گا۔"

"آپ مجھے ان کے ڈیزائن بنا دیجئے۔"

"اور تم میرے واپس آنے تک انہیں بنوا ڈالوگی۔"

"ہاں"

"اکیلے کس طرح بناؤگی۔"

"چاچا چیتو سارا کام کرے گا۔ سامان بھی خریدے گا اور مزدوروں کا بھی انتظام کرے گا۔ اس کے بھی کچھ پیسے بن جائیں گے۔ آج کل اسے پیسوں کی بہت ضرورت ہے۔ اسی برس اس نے اپنی چھوٹی بیٹی کی شادی کرنا ہے۔ اس لئے بڑی خوشی سے کام کرے گا۔"

"لیکن پیسے تو تب ملیں گے جب وہاں جا کر کماؤں گا۔"

"میں ابھی اپنے پاس سے خرچ کر دوں گی آپ وہاں سے بھیج دیجئے گا یا پھر واپس آکر دیدیجئے گا۔"

کمار جانتا تھا کہ الکا کافی امیر لڑکی تھی اور امیری سے زیادہ اپنی مرضی کی مالک تھی۔ یوں بھی اس بات کے سلسلے میں اس کی کسی دلیل کو رد نہیں کیا جا سکتا تھا۔ الکا کے اصرار پر اس نے دو دن میں ڈیزائن تیار کر دیئے اور چاچا جیتو کو بلا کر الکا کو سارا کام سونپ دیا اور خود دلی جانے کو تیار ہو گیا۔

اچھی بھلی صبح ہوئی، اچھی بھلی دوپہر گزری لیکن اس گاؤں میں گزارنے والی آخری شام نے نہ جانے کیا کیا کہ کمار کو محسوس ہوا وہ بےحد اداس تھا۔ اُداسی شاید کئی دنوں سے اس کی طرف چلی آ رہی تھی لیکن وہ اس طرح پنجوں کے بل آئی تھی کہ کمار کو اس کی آمد کا پتہ نہیں چلا تھا۔ اب اس وقت پتہ چلا جب وہ مجسّم شکل میں اسکے روبرو آکھڑی ہوئی۔

"سو تم آگئیں" کمار نے اداسی کے چہرے کی طرف دیکھا۔ اس کا سانولا رنگ شام کی لالی میں چمک رہا تھا۔ اس نے جواب نہیں دیا صرف ہلکا سا مسکرائی اور آہستہ سے کمار کا ہاتھ پکڑ کر اسے باہر باغیچے میں امرود کے ایک پیڑ کے پاس لے گئی۔

"باغیچے کے اس کونے میں الکا کی جھم جھماتی جھونپڑی بنے گی۔۔۔۔"

"ہاں لیکن وہ اس جھونپڑی میں کتنے دن رہے گی؟"

"جتنے دن بھی رہے۔

"اور ان دنوں کی قیمت میں ساری عمر کے درد کی شکل میں ادا کروں گا؟"

"کبھی تم نے اس قیمت پر بھی غور کیا ہے جو اس نے تمہیں حاصل کرنے کے لئے ادا کی ہے اور آئندہ بھی معلوم نہیں کتنی ادا کرے گی۔"

"اوہ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔"

"تم نے اس کے جسم کی قیمت بیس روپے مقرر کی اور اس نے اسی کو منظور کر لیا"

"میں نے دراصل اس کی قیمت مقرر نہیں کی تھی، میں نے اس میں اور اپنے آپ میں ایک فاصلہ رکھنے کے لئے یہ روپے بچھا دئیے تھے۔"

"مجھے معلوم ہے لیکن کیا تم اس کی ہمت کو نہیں دیکھتے جس نے اس بے عزتی کو بھی اپنی عزت بنا لیا۔"

"یہ تم نے ٹھیک کہا ہے۔"

"تم نے ایک طرح سے اسے بلیسوا تک کہا۔"

"مجھے ایسا نہیں کہنا چاہیئے تھا۔"

"اس نے اس لفظ کو اٹھا کر اس اونچے مقام پر رکھ دیا جس مقام پر صرف بیوی کا لفظ رکھا جاتا ہے۔"

"مجھے یاد ہے، اس نے کہا تھا، جس آسانی سے میں بلیسوا بن سکتی ہوں، اتنی آسانی سے بیوی بھی بن سکتی ہوں۔"

"تمہیں یہ خیال نہیں آیا کہ اس ایسی عورت اگر بیسوا بھی ہوتی تو صرف ایک ہی

مرد کی۔"

"مجھے اس کی بے عزتی کرنے کا کوئی حق نہیں تھا لیکن کیا تم جانتی ہو کہ میں کس بات سے ڈرتا تھا۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔؟"

تم مجھ سے ڈرتے تھے۔"

"کیونکہ میں جانتا تھا کہ تم ہر خوشی کو بہت جلد سونگھ لیتی ہو۔ ۔ ۔ ۔ ۔"

"خوشی چیزوں میں نہیں ہوتی، دل کی حالت میں ہوتی ہے۔ میں چیزوں کو سونگھ سکتی ہوں، ان کے پیچھے پڑ سکتی ہوں لیکن میں کسی کی دلی حالت کو کچھ نہیں کہہ سکتی۔"

"میں الکا کو اس لئے حاصل نہیں کرنا چاہتا کیونکہ میں اس کے گم ہو جانے سے ڈرتا ہوں۔"

"اسی لئے میں تمہارے پاس آگئی ہوں اور اسی لئے الکا کے پاس جانے کی تجھ میں ہمت نہیں۔"

یہ بھی مجھے معلوم ہے کہ تم ایک بار جس کے پاس آجاتی ہو پھر تم ہمیشہ اسی کے پاس رہتی ہو۔ میں عمر بھر تمہیں لئے لئے گھوموں گا؟"

"میں تمہارے کئی کام سنواروں گی۔"

"کون سے کام؟"

"جب تم تصویریں بناؤ گے میں اُن کی آنکھوں میں کاجل لگایا کروں گی۔"

"لیکن۔ ۔ ۔ ۔"

"میں جن لوگوں کی دوات میں سیاہی ڈالتی ہوں، کیا تم جانتے ہو اُن کے قلم سے کس قسم کے گیت نکلتے ہیں؟"

"لیکن جن ہاتھوں میں قلم ہوتا ہے یا برش ہوتا ہے، تم نے کبھی ان ہاتھوں کی قسمت کو دیکھا ہے؟"

"قسمت کو چیزوں کے گز سے نہیں ناپنا چاہئے۔"

"نہ سہی، حالات کے گز سے ہی سہی، لیکن یہ کیسی حالت ہے؟ ہر سانس کے ساتھ میرے سینے میں ایک درد سا ہونے لگا ہے۔ ۔ ۔ ۔"

کمار نے اپنا نچلا ہونٹ اپنے دانتوں میں کٹکٹایا اور آنکھیں بند کر کے اپنے بائیں ہاتھ سے اپنے سینے کو دبایا۔

"آپ کی طبیعت ٹھیک نہیں۔ ۔ ۔ ۔" الکا نے آہستہ سے اپنا ایک ہاتھ کمار کے کندھے پر رکھا۔ کمار نے گردن گھما کر دیکھا۔ الکا اس کی پشت کی طرف کھڑی تھی۔ کمار چپ چاپ اس کے چہرے کی طرف دیکھتا رہا پھر اس نے اپنے کندھے پر رکھا ہوا الکا کا ہاتھ آہستہ سے اپنے ہاتھ میں لیا اور اپنے ہونٹوں پر رکھ لیا۔

کمار نے کہا کچھ نہیں، الکا کا ہاتھ پکڑ کر آہستہ آہستہ چلتے ہوئے باغیچے میں سے باہر آگیا اور باہر کی کچی سڑک پر سے گزرتا ہوا سامنے کے پہاڑ کی پگڈنڈی پر چڑھنے لگا کہیں کہیں کوئی کانٹے دار جھاڑی الکا کے کپڑوں سے اُلجھ جاتی تھی۔ کمار آگے آگے چلتا ٹہنیوں کو ہاتھوں سے پرے ہٹاتا اور الکا کے لئے راستہ بناتا ہوا پگڈنڈی پر چڑھتا چلا گیا۔

ایک جگہ ایک چوڑا سا پتھر آسن کی طرح بچھا ہوا تھا۔ کمار نے الکا کو اس پتھر پر بٹھایا اور خود بھی اس کے پاس بیٹھ گیا۔ پھر آہستہ سے اسنے الکا کا سر اپنے سینے کی اس جگہ پر ٹکا لیا جہاں سانس لیتے ہوئے اسے درد محسوس ہوتا تھا

ایک ٹھنڈا ملائم مرہم کمار کے سینے پر لگ گیا۔ اپنے دائیں ہاتھ کی ہتھیلی سے وہ الکا کے بالوں کو سہلانے لگا۔ الکا کے لئیے ایک ایسا نیا تجربہ تھا کہ الکا اس نئے تجربے کی تاب نہ لا سکی اُس کی آنکھوں میں بے اختیار آنسو آ گئے۔

کمار نے اپنی ہتھیلی سے الکا کے آنسو پونچھے اور پھر آہستہ سے اس کے ہونٹوں پر بوسہ دے کر بولا۔ "پگلی! تم تو کہتی تھیں کہ جب میں اس راستہ پر چلی تو آنکھوں کے سارے آنسو پی کر چلی تھی۔"

گلا بھر آنے سے الکا بول نہ سکی۔ کمار نے ایک بہت بڑے پیڑ کی طرح الکا کو اپنے گلے سے لگا لیا۔۔۔ ایک نازک سی بیل کو اپنے گلے سے لگا لیا۔

الکا سسکنے لگی۔ کمار نے اس کی ایک ایک سسکی کو چوما اور پھر الکا کے ماتھے کو چومتا ہوا بولا "تم مجھے معاف نہیں کر سکتیں؟ میں نے تم سے بڑی زیادتیاں کی ہیں"

الکا نے اپنی کانپتی ہوئی انگلیوں سے اس طرح کمار کے ہونٹ بند کر دیئے کہ وہ آگے کچھ نہ کہہ سکے۔ پھر ایک گہرا سانس بھر کر بولی۔ "میں نے زیادتیوں کی عادت ڈال لی تھی اس لئے میں کبھی نہیں روتی تھی لیکن میں نے اس نرمی کی عادت نہیں ڈالی تھی۔۔۔۔۔۔"

کمار کی زندگی میں شاید یہ پہلا موقع تھا کہ کمار کی آنکھیں بھیگ گئیں۔
رُندھے ہوئے گلے سے اس نے کہا" اگر تم کہو تو میں دلی نہیں جاتا' میں کام کرنے کے لئے نہیں جا رہا' میں تم سے بھاگ کر جا رہا ہوں "
" الکا کمار کے منھ کی طرف دیکھنے لگا۔ چاند نے بادل کا ایک ٹکڑا ہاتھ سے پرے کیا اور کمار کے منھ کی طرف دیکھنے لگا۔ وہ بھی شاید الکا کی طرح حیران ہو گیا تھا۔
" جس نے گھنے جنگل میں چاندنی کا جادو نہ دیکھا ہو' اسے میری حالت کا پتہ نہیں چل سکتا تمہارا جادو اس چاندنی سے بھی زیادہ ہے جادوگرنی!" کمار نے اپنے ہونٹوں سے الکا کی گردن کو چھوا۔
الکا کی گردن کو کمار کے ہونٹوں نے بھی چھوا اور ہونٹوں سے نکلی ایک آہ نے بھی۔
" آپ بہت اداس ہیں؟"
" اتنا میں زندگی میں کبھی اداس نہیں ہوا "
" چاندنی کا یہ جادو کس طرح کا ہے' کیا جادو اداسیاں دیتے ہیں؟"
" ان کی دی ہوئی ہر چیز کے پیچھے ایک گہری اُداسی ہوتی ہے کیونکہ جادو اتر جانے والی چیز ہے "
" میرا جادو بھی اُتر جائے گا۔؟"
" اب میرے اپنے بس میں کچھ نہیں رہا الکا۔ سب کچھ تمہارے بس میں ہو گیا ہے۔ یہ جادو تمہارے رحم پر رہے گا؟"

"اسی لئے آپ اُداس ہیں؟"

"میں نے اس جادو کو ختم کرنے کی پوری کوشش کی تھی، اسی لئے میں نے تمہارے جسم کی بیس روپے قیمت مقرر کی تھی۔ سوچتا تھا حساب ساتھ ہی ساتھ نبٹ جائے گا۔ . . . لیکن جن عورتوں کے ساتھ حساب نبٹائے جاتے ہیں، اُن کے پاس جادو نہیں ہوتے . . . ."

"اگر حساب نبٹ جاتا تو کیا آپ خوش ہو جاتے؟"

"میں بالکل آزاد رہتا، اس لئے خوش بھی ہوتا۔ خوش اب بھی ہوں، شاید اس طرح کی کوئی چیز پہلے کبھی نہیں ہوتی تھی لیکن اس خوشی میں ایک عجیب قسم کا درد ملا ہوا ہے۔ تمہیں ایک بات بتاؤں؟"

"کیا؟"

"جیسے جیسے تمہارے پاس سے جانے کا وقت قریب آتا گیا، ویسے ہی میرے سینے میں ایک درد بڑھتا گیا۔ سچ مچ کا درد جس طرح نمونیا میں سانس لیتے وقت ہوتا ہے۔ لیکن جس وقت میں نے تمہارا سر اپنے سینے سے لگایا میرا درد جاتا رہا . . . . یہ ایک بہت بڑی محتاجی ہو گئی ہے . . . ."

کمار نے الکا کے سر پر رکھا ہوا ہاتھ اُٹھا لیا اور اس سے اپنی دونوں آنکھیں ڈھانپ لیں۔ ایک آہ کی سی آواز کمار کے منہ سے نکلی "میں نے آج تک اپنے آپ کو ہر لطف، ہر سواد سے بے لاگ رکھا ہوا تھا . . . . میرے بچپن میں جب ماں پر اٹھے

پکایا کرتی تھی میں جان بوجھ کر رات کی باسی روٹی کھایا کرتا تھا تاکہ میری زبان کو کسی سواد کی عادت نہ پڑ جائے۔۔۔۔۔الکا۔۔۔۔۔الکا۔۔۔۔۔دیکھو میں کس طرح تمہارے بس میں ہو گیا ہوں۔۔۔۔"

خاموش بیٹھی الکا کو کمار نے اپنی دونوں باہوں میں جھنجھوڑا "الکا مجھے سچ مچ بتاؤ کہ تم مجھے کبھی چھوڑ کر تو نہیں جاؤ گی۔۔۔۔؟ اس چاندنی کا جادو کبھی نہیں اترے گا؟۔ میرے سینے میں جب درد اٹھے گا، تم اپنا سر میرے سینے پر رکھ دیا کرو گی؟ ۔۔۔۔۔الکا۔۔۔۔۔ اگر تم کبھی مجھے چھوڑ کر چلی گئیں تو۔۔۔۔۔"

الکا نے اپنی دونوں آنکھیں اس طرح بند کر لیں جیسے وہ اپنے تمام آنسو اندر ہی اندر پیئے جا رہی ہو ۔صرف اپنے ہی نہیں کمار کے آنسو بھی۔

"تم بولتی کیوں نہیں؟"

"اس لئے کہ میرا جادو چل گیا ہے"۔

"تم بہت خوش ہو الکا؟"

"میں بہت اُداس ہوں"

"تم کیوں اداس ہو؟"

"مجھے معلوم نہیں تھا کہ میرے جادو کا یہ اثر ہو گا"

"جو کچھ تم چاہتی تھیں، تم نے پا لیا۔ اگر کچھ کھویا ہے تو میں نے۔ تم نے کچھ نہیں کھویا"

"میں اسی لئے اداس ہوں کہ آپ کو وہ چیز کھونی پڑی جسے آپ کھونا نہیں چاہتے

تھے"۔

"لیکن میں اپنی آزادی کھوئے بغیر تم کو نہیں پا سکتا الکا۔ میں تمہیں پانا چاہتا ہوں"۔

"مجھے پانے کا خیال چھوڑ دیجئے"۔

"یہ تم کہہ رہی ہو الکا؟"

"ہاں"۔

"لیکن میں تمہارے بغیر نہیں رہ سکتا۔۔۔ میرے جسم میں ایک آگ ایسی بھوک جاگ پڑی ہے۔۔۔۔"

"میں آپ کی طے کی ہوئی قیمت پر ہی آپ کو اپنا جسم دے دیا کروں گی"۔

"لیکن بیس روپے دے کر تمہارے جسم کو لینا تمہارے جسم کی توہین کرنا ہے الکا"۔

"مجھے اس میں کبھی توہین محسوس نہیں ہوئی، آئندہ بھی محسوس نہیں ہوگی"۔

"لیکن مجھے ہمیشہ یہ محسوس ہوتا رہا ہے کہ میں تمہاری توہین کرتا ہوں"۔

"لیکن یہ توہین کر کے آپ خوش ہوتے تھے"۔

"کیونکہ اس طرح میری آزادی میرے پاس رہتی تھی"۔

"وہ اب بھی آپ کے پاس رہنی چاہیے"۔

"لیکن میں دو چیزیں ایک ساتھ حاصل نہیں کر سکتا الکا۔ ایک چیز مجھے کھونا پڑے گی۔ تم بتاؤ کیا تم ایک ساتھ دو چیزیں حاصل کر سکتی ہو؟"

"ہاں"

"مجھے بھی اور آزادی کو بھی؟"

"مجھے دونوں حاصل ہیں!"

"یہ تم کیسے کہہ سکتی ہو۔ اگر کل میں دلی چلا جاؤں اور وہاں دو مہینے تک رہوں تو کیا تم سمجھتی ہو میں وہاں کسی دوسری عورت کے پاس نہیں جا سکتا؟"

"جا سکتے ہیں لیکن جائیں گے نہیں۔ جائیں گے بھی تو میں آپ کے ساتھ ہونگی آپ اکیلے نہیں جائیں گے!"

"یہ کیسے ہو سکتا ہے؟"

"جا کر دیکھ لیجئے گا!"

"لیکن میں یہ دیکھ کر کیا کروں گا.... میں تمہیں حاصل کرنا چاہتا ہوں!"

"آپ ابھی مجھے حاصل نہیں کر سکتے!"

"کب تک حاصل نہیں کر سکتا؟"

"جب تک آپ کی محبت اور آپ کی آزادی مل کر ایک نہیں ہو جاتیں!"

"لیکن یہ دو الگ الگ چیزیں ہیں الکا۔ یہ کیسے آپس میں مل سکتی ہیں؟ یہ کبھی نہیں مل سکتیں!"

"جس دن یہ دونوں آپس میں مل جائیں گی اس دن کے بعد آپ کبھی اداس نہیں ہونگے۔"

"لیکن الکا....."

"آیئے چلیں، صبح آپ کو بہت جلد اٹھنا ہے!"

"مجھے صبح جلدی اُٹھنے کی ضرورت نہیں"۔

"آپ کو صبح کی گاڑی سے دلی جانا ہے"۔

"میں دلی جا کر کیا کروں گا؟"

"کام کریں گے"۔

"تم میرے ساتھ چلو گی؟"

"میں یہاں کام کروں گی؟"

"جھونپڑیاں بنانے کا کام؟

"ہاں"

"واپس آکر بنوالیں گے"۔

"میں نے لکڑی منگوالی ہے، چھتوں کے لئے کل سلیٹیں بھی آجائیں گی۔
مستری اور مزدور صبح آٹھ بجے آرہے ہیں"۔

"پھر کیا ہوا —— لیکن کیا تم چاہتی ہو کہ میں اکیلا جاؤں؟"

"ہاں میں چاہتی ہوں کہ آپ اکیلے جائیں"۔

"تم مجھے حاصل کرنا چاہتی تھیں الکا۔ لیکن اب میں اپنا سب کچھ تمہارے حوالے کر رہا ہوں تو تم کچھ بھی نہیں چاہتیں"۔

"اس بات کا جواب میں پھر کبھی دوں گی"۔

"کب؟"

جب آپ واپس آئیں گے۔"
اس رات سوتے وقت کمار کو یہ عجیب سا خیال آیا کہ کل صبح جب وہ دِلّی جائے گا تو میلوں کی یہ دوری اُسے اداسی کے ایک تاریک غار میں لے جائیگی۔

۷

کمار دلّی چلا گیا۔ اُس کا دوست اسے اسٹیشن پر لینے کے لئے آیا ہوا تھا۔ کمار کی اپنے اس دوست سے پانچ برس کے بعد ملاقات ہوئی تھی لیکن کمار کو بھی اور اس کے دوست کو بھی ایسا محسوس ہوا جیسے وہ پانچ برس کے بعد نہیں پچیس برس کے بعد ملے ہوں اور ان پچیس برسوں میں دونوں کی زندگی بدل گئی ہو۔

"لوگ کہتے ہیں کہ عمر کے ساتھ ساتھ چہرے کا نور ڈھل جاتا ہے۔ میں جب گاڑی کے ڈبوں کی طرف دیکھ رہا تھا تو سوچ رہا تھا کہ اب تمہارے بال سفید ہو گئے ہونگے چہرے پر عمر کی جھریاں پڑ گئی ہوں گی۔ اگر زیادہ نہیں تو تم کچھ تو موٹے ہو گئے ہوگے اور ساتھ ہی مستقل طور پر پہاڑوں میں رہنے کی وجہ سے ڈھنگ کے کپڑے پہننے کی عادت نہیں رہی ہوگی۔۔۔۔" کیول کرشن نے بڑے تعجب سے بار بار کمار کے چہرے کی طرف دیکھا اور کہا "لیکن کمال ہے، تم پہلے بھی خوبصورت تھے لیکن اتنے کبھی نہیں تھے۔ سنگ سے بُت کی طرح ترشے ہوئے۔ نہ جانے تم وہاں کس چشمے کا پانی پیتے ہو۔ تمہارے چہرے پر۔۔۔ شاید اسی کو کہتے ہیں کہ چہرے پر نور آگیا ہے۔۔۔۔"

کمار نے کچھ کہنے کے بجائے صرف ہنس کر کیول کرشن کی طرف دیکھا۔ کیول کرشن نے کمار کے ساتھ ہی آرٹ کی تعلیم حاصل کی تھی لیکن رفتہ رفتہ اس نے اپنے کام کو اس درجہ سرکاری دفاتر تک وسیع کر لیا تھا کہ اس کے لئے اسے کئی معمولی معمولی آرٹسٹ ملازم رکھنے پڑے تھے۔ ایک فرم کے مالک سے بڑھتا بڑھتا وہ اچھا خاصا ٹھیکیدار بن گیا تھا۔ دلی میں اس کا اپنا بنگلہ تھا، اپنی کار تھی اور جتنا روپیہ اس کے بنک میں بڑھتا رہا تھا اتنا ہی گوشت اس کے جسم پر چڑھتا چلا گیا تھا اور جتنا گوشت اس کے جسم پر چڑھتا گیا تھا اتنا ہی اس کے چہرے کا رنگ پھیکا پڑتا گیا تھا۔ بہت قیمتی لباس بھی اس کے جسم پر ایسا لگتا تھا جیسے دلّی کے درزی کپڑے سینا بھول گئے ہوں ۔ ۔ ۔ ۔ لیکن یہ سب باتیں کہنے کی نہیں تھیں اس لئے کمار نے کچھ نہیں کہا۔

کیول کرشن نے اپنے بنگلے کا ایک کافی کھُلا کمرہ کمار کے لئے سجا رکھا تھا۔ کمار نے کچھ دیر تک آرام کیا۔۔۔ پھر کیول کرشن کے ساتھ بیٹھ کر کام کی تفصیل معلوم کرنے لگا۔ کیول کرشن نے اُسے بتایا کہ ہوٹل بنوانے والوں کی سب سے پہلی شرط یہ ہے کہ ان کا ہوٹل کسی لحاظ سے بھی بیرونی ممالک کے ہوٹلوں کی نقل نہ ہو۔ اپنے ہوٹل میں وہ کچھ اس قسم کا ہندوستانی ماحول پیدا کرنا چاہتے ہیں جو کسی دوسری جگہ دیکھنے کو نہ ملے۔ وہ ساز سنگیت بھی کلیتاً ہندوستانی چاہتے ہیں۔ پچھلی بار کے تجربے سے کیول کرشن کو اندازہ ہو گیا تھا کہ کمار کے تخیّل میں ایک ایسا نیا پن ہے جیسے

بیرونی ممالک کی تخلیقات کی نقل کرنے والے آرٹسٹ نہیں چھو سکتے۔

حقیقی معنوں میں جیسے پندرہ دن اور پندرہ راتیں صرف کرنا کہتے ہیں، کمار نے صرف کر دیں۔ کام کا نقشہ اُبھر آیا۔ اس دماغی محنت کے بعد اب زیادہ کام کاغذی محنت کا تھا۔ کیول کرشن نے کمار کی مدد کے لئے دو نئے لیکن محنتی آرٹسٹ دے دیئے۔

ہوٹل کے سب سے بڑے کمرے کا ایک خاص ماحول ہونا چاہئے تھا۔ مالکان نے سب سے پہلے اسی کمرے کی اندرونی ترتیب تیار کرنے کے لئے کمار سے کہا تھا۔ کمار نے جب اُسے تیار کر لیا تو کام کا بیشتر حصّہ تیار ہو گیا۔

کمار نے کمرے کے چاروں کونوں میں چار بُت دکھائے۔ ایک بُت میں سارنگی بج رہی تھی، ایک میں ستار، ایک میں شہنائی اور ایک میں بانسری۔ کمار نے بتایا کہ جس وقت سارنگی کا ریکارڈ لگانا ہوگا اس وقت اس سارنگی والے بت میں روشنی ہو جائے گی۔ باقی ماندہ تینوں کونوں کے بُت اندھیرے میں رہیں گے۔ اسی طرح سارے بُت یکے بعد دیگرے اپنے سنگیت کے مطابق روشن ہوں گے۔

کمار جب سے دلّی آیا تھا اس نے الکا کو کوئی خط نہیں لکھا تھا۔ الکا کے بارے میں سوچا تک نہیں تھا۔ اس میں اس کی مصروفیت نے اُس کی بڑی مدد کی تھی۔ کوئی بیس اکیس دن کے بعد الکا کی طرف سے ہی ایک چھوٹا سا خط آیا جس میں اس نے باغیچہ کی جھونپڑیوں کے بارے میں کچھ تفصیل لکھی تھی اور کچھ باتیں پوچھی تھیں۔ جس قسم کے معمولی سوالات تھے کمار نے ایک خط کے ذریعے اسی قسم کے جواب دے دیئے۔ ساتھ ہی کیول کرشن

سے دو ہزار روپیہ لے کر بھیج دیا۔

ایک مہینہ گزر گیا نہ تو الکا کی کسی یاد نے کمار کو پریشان کیا اور نہ ہی کسی گہری اداسی نے۔ تین چار بار کمار کو الکا کا سپنا ضرور آیا لیکن ان سپنوں میں کوئی بات نہیں ہوئی تھی۔ الکا چپ چاپ یا تو کوئی تصویر بنا رہی ہوتی تھی یا منہ دوسری طرف کر کے کوئی کتاب پڑھ رہی ہوتی تھی۔ ان عام سے سپنوں نے نہ تو کمار کے دل میں کوئی ہڑلونگ مچائی اور نہ ہی اس کے جسم میں ویسے کمار کو قدرے حیرانی ہوتی تھی کہ اس سے پہلے الکا کو دیکھتے ہی اس کے جسم میں جو ایک آگ سی سلگ اٹھتی تھی کسی سپنے میں بھی اس آگ کی تپش کیوں نہیں تھی۔ یہ حیرانی کمار کو اچھی لگ رہی تھی۔ اسے محسوس ہو رہا تھا کہ اس کے مزاج کی آزادی روز بروز اس کے پاس واپس آ رہی تھی۔

ڈیڑھ مہینہ گزر گیا۔ کمار کو یقین ہو گیا کہ اب جب وہ الکا کے پاس جائے گا تو یہ الکا کے لئے اور خود اس کے لئے ایک نیا تجربہ ہوگا۔ اسے محسوس ہوتا تھا جیسے اس نے اپنے جسم کی بھوک پر فتح پا لی تھی۔ دل ہی دل میں وہ الکا کا شکر گزار بھی تھا کہ اس نے اسے زبردستی دلی بھیج دیا تھا اور وہ سوچ رہا تھا کہ اگر کہیں اس رات الکا بھی اس چاندنی کے جادو میں آجاتی تو شاید وہ عمر بھر کی ذہنی غلامی مول لے لیتا۔ اسے یقین ہو گیا تھا کہ اس رات اس نے جو کچھ بھی الکا سے کہا تھا وہ سب جنگل میں چھٹکی ہوئی چاندنی کے اثر کا نتیجہ تھا یہ صرف ایک ذہنی جوار تھا جو چاند کی چاندنی کے ساتھ سمندر کی لہروں کی طرح بلند ہو گیا تھا۔

اپنی اس نئی ڈھونڈی ہوئی آزادی کو پرکھنے کے لئے کمار کو ایک خیال آیا۔ کیول کرشن

اگرچہ اسکاویرینہ دوست تھا لیکن کمار نے جو اپنی جوانی میں ہی بزرگی اختیار کر لی تھی، اس کی وجہ سے کیول کرشن نے کبھی اس کی ذاتی زندگی کے بارے میں پوچھ گچھ نہیں کی تھی۔ اس کے باوجود کمار کو یہ بات مشکل نہ لگی۔ ایک دن اس نے کیول کرشن سے کہا کہ اتنے دن تک لگاتار کام کرنے سے وہ بہت تھک گیا ہے ایک رات فارغ رہ کر وہ شراب پینا چاہتا ہے۔ اور اس رات اُسے ایک عورت کی بھی ضرورت ہوگی۔

"اچھا" کیول کرشن نے مختصر سا جواب دیا کمار نے چونکہ کسی خاص رات کا ذکر نہیں کیا تھا اس لئے اس بات کو وہ خود بھی بھول گیا۔

چار پانچ دن بعد جب ایک رات کو کمار اپنے کمرے میں لوٹا تو اس کے کمرے میں بیس بائیس برس کی ایک لڑکی بیٹھی ہوئی تھی۔ اُسے دیکھ کر بھی کمار کو کیول کرشن سے کہی ہوئی اپنی بات یاد نہ آئی۔ اس نے سمجھا کہ وہ لڑکی غلطی سے اس کمرے کو کیول کرشن کی بیوی کا کمرہ سمجھ کر وہاں بیٹھی ہوئی تھی۔

وہ لڑکی کرسی پر سے اُٹھ کھڑی ہوئی۔ پھر وہ اس طرح ہنس دی جیسے کمار سے پرانی واقفیت ہو لیکن کمار کو اس کی وہ ہنسی بڑی بیگانہ سی لگی۔ کمار کے آدھے اتارے ہوئے کوٹ کو جس انداز سے اُس نے آگے بڑھ کر تھام لیا اور پھر دوسری بانہہ اتروا کر کوٹ کو کھونٹی پر ٹانک دیا، کمار حیران رہ گیا۔

کمار ابھی اسی طرح حیران و پریشان کھڑا تھا کہ لڑکی نے میز پر پڑی ہوئی شراب کو بڑے ماہرانہ ڈھنگ سے کھولا اور گلاس میں برف ڈال کر ایک بھرا ہوا گلاس

کمار کو پیش کر دیا۔
اب کمار کو اپنی بات یاد آ گئی لیکن اسے تعجب ہوا کہ کیول کرشن کی پچھلی شب شامیں تو کمار ہی کے ساتھ گزری تھیں، اس نے کھانا بھی اسی کے ساتھ کھایا تھا پھر اس لڑکی کے بارے میں اس نے کچھ بتایا کیوں نہیں
کمار نے شراب کا گلاس پکڑ لیا لیکن کمرے میں کھڑے کھڑے اُسے یہ محسوس نہیں ہو رہا تھا کہ وہ کمرہ اس کا تھا اور آج اس کے کمرے میں کوئی مہمان آیا ہوا ہے۔ اُسے لگ رہا تھا جیسے وہ اپنے کمرے میں جاتے ہوئے بھولے سے کسی دوسرے کمرے میں آ گیا ہے۔
"بیٹھئے......" اس لڑکی نے جب ہاتھ سے کرسی کی طرف اشارہ کیا تب کمار کو احساس ہوا کہ وہ ابھی تک کھڑا تھا۔
کمار چپ چاپ کرسی پر بیٹھ گیا اور اس نے اپنے ہاتھ میں پکڑے ہوئے گلاس میں سے ایک گھونٹ بھر کر اس لڑکی کے چہرے کی طرف اس طرح دیکھا جیسے اسی سے پوچھ رہا ہو، "بتاؤ اب تم سے کیا بات کروں؟"
لڑکی نے شراب کا ایک اور گلاس بھرا اور کمار کی طرف دیکھتے ہوئے ہاتھ اٹھا کر بولی "آپ کی صحت کے لئے۔"
کمار نے مسکرا کر اس لڑکی کی طرف دیکھا۔ وہ خوبصورت تھی۔ اُس کے ہونٹ کچھ موٹے تھے لیکن اس کے چہرے کے مطابق بڑے متناسب تھے۔ اس کا جسم گٹھا ہوا تھا۔ اُس کی پیٹھ کا کافی حصہ ننگا تھا اور کمار کو خیال آیا کہ اگر پیٹھ کا اتنا حصہ

ننگا رکھنا ہو تو جسم کا گٹھاؤ کچھ کم ہونا چاہیئے اور ساتھ ہی ماتھا کچھ چوڑا ۔ اور کمار کو خود ہی خیال آیا کہ وہ اس لڑکی کو اس طرح جانچ پرکھ کر دیکھ رہا تھا جیسے اُسے سامنے بٹھا کر پینٹ کرنا ہو۔

نہ جانے کیسے کمار نے یہ پوچھ لیا "کیول نے ایک رات کے کتنے روپے طے کئے ہیں؟ لڑکی خاموش ہو گئی ۔ کمار نے سوچا نہیں تھا کہ وہ یہ بات پوچھے گا ۔ پوچھنے کی ضرورت بھی نہیں تھی ۔ کمار کو خود ہی اپنی یہ بات اچھی نہیں لگی ۔

"آپ روپیوں کی فکر نہ کریں ۔ کیول صاحب نے مجھے دے دیئے ہیں ۔ اور ایسے وقت میں اس قسم کی بات نہیں کیا کرتے ۔" لڑکی نے کہا اور میز پر پڑی ہوئی شراب کی بوتل لاکر کمار کے گلاس میں ڈالنے لگی ۔

"جب دل کا کوئی رشتہ نہیں ہوتا تو لوگ اس رشتے کا احساس پیدا کر لینا چاہتے ہیں اور چونکہ یہ احساس خاموش رہنے سے ہی پیدا ہو سکتا ہے اس لئے لوگ ایسے وقت میں خاموش رہتے ہیں ۔ ۔ ۔ ۔ ۔" کمار کو اچانک الکا کی کہی ہوئی یہ بات یاد آ گئی اور بات کے ساتھ ساتھ الکا بھی یاد آ گئی ۔

"یوڈیول" ۔ کمار کی زبان سے نکل گیا ۔

لڑکی گھبرا کر کرسی پر سے اُٹھ کھڑی ہوئی ۔ کمار نے چونک کر اس کی طرف دیکھا ۔ "یہ میں نے تمہیں نہیں کہا ۔"

کمار ہاتھ میں لئے ہوئے گلاس کی ساری شراب ایک سانس میں پی گیا اور غلطی نے

میں جاکر کپڑے بدلنے لگا۔

کمار جب واپس کمرے میں آیا تو لڑکی اس کے بستر میں لیٹی ہوئی تھی۔ بستر کی چادر اس نے اپنے جسم پر اوڑھ رکھی تھی اور اپنے اتارے ہوئے کپڑے تہہ کر کے پاس کی میز پر رکھ دیئے تھے۔

بستر کی طرف جانے کی بجائے کمار نے میز کی دراز کھولی اور اس میں سے سگریٹ نکال کر پینے لگا۔ کمار کو سگریٹ پینے کی عادت نہیں تھی۔ گاؤں میں وہ کئی کئی مہینے تک سگریٹ نہیں پیتا تھا۔ شہر میں جب کبھی رنگ لینے جاتا تھا تو ساتھ سگریٹوں کی ایک دو ڈبیاں بھی لے آتا تھا۔ یہاں دلّی آکر اس نے دو ڈبیاں خریدی تھیں جو پچھلے پورے مہینے میں ختم نہیں ہوئی تھیں۔ لیکن آج کمار نے ایک سگریٹ پیا پھر دوسرا پیا اور پھر دوسرے سگریٹ کی آگ سے ہی تیسرا سلگا لیا۔

"آپ بہت سگریٹ پیتے ہیں؟ سبھی آرٹسٹ بہت پیتے ہیں....." لڑکی کی اس بات سے کمرے کا سناٹا ٹوٹ گیا اور کمار نے سگریٹ کو ایش ٹرے میں رکھ دیا۔

پہلے تو کمار کافی دیر تک بستر کے پاس کھڑا اس لڑکی کے چہرے کی طرف دیکھتا رہا پھر ہاتھ بڑھا کر اس نے لڑکی پر اوڑھی ہوئی چادر کا ایک کونہ اٹھایا۔ چادر کندھوں تک ہٹائی چھاتی پر سے اٹھائی، کمر تک ہٹا دی۔ کمار نہ جانے کیا سوچ رہا تھا۔ اگر کوئی شخص اس وقت اسے دیکھتا تو..... یہی سمجھتا کہ کمار ایک ڈاکٹر ہے اور بڑے غور سے مریض کا معائنہ کرتے ہوئے اس کے مرض کے بارے میں سوچ رہا ہے۔

اس لڑکی نے کمار کے خیالوں کو جھٹکا دیتے ہوئے پوچھا "آپ دلی میں نہیں رہتے ؟"

"میں ؟"

"کیول صاحب کہہ رہے تھے کہ آپ کسی پہاڑ پر رہتے ہیں۔ وہاں آپ اکیلے رہتے ہیں اگر میں وہاں اکیلی رہتی ، رہوں تو مجھے بہت ڈر لگے۔"

"ڈر ۔۔۔ ؟ مجھے کس بات کا ڈر ہے یہاں"۔ کمار کو الکا کے بول یاد آگئے

"یو ڈیم ۔ ۔ ۔ ۔ کمار کے منہ سے نکل گیا ۔

لڑکی گھبرا کر پلنگ سے اٹھ بیٹھی ۔

"سوری ۔۔ میں نے تمہیں نہیں کہا تھا"۔ کمار نے بڑی ملائمت سے کہا اور پوچھنے لگا "تمہارا نام کیا ہے ؟"

"کانتا"

"تم رات کو واپس کیسے جاؤ گی ؟"

"اگر جلدی فارغ ہو گئی تو ٹیکسی لے کر چلی جاؤنگی نہیں تو صبح چلی جاؤں گی۔"

کمار کو خیال آیا کہ اس لڑکی کو جلدی فارغ ہونا چاہیئے۔ اُس نے بستر پر لڑکی کے پاس بیٹھتے ہوئے کمرے کی بتی بجھا دی

کمار کو بیٹھے ابھی ایک ہی لمحہ ہوا تھا کہ دوسرے لمحے وہ چونک کر اٹھ کھڑا ہوا اور کھڑکی کی طرف دیکھتے ہوئے بولا "باہر کھڑکی کے پاس کوئی کھڑا ہے"۔

"اُدھر باغیچہ ہے۔۔۔ اس وقت باغیچے میں کوئی نہیں ہو سکتا۔"

"ابھی کوئی ادھر سے گذرا ہے۔ اس کا سایہ کھڑکی پر پڑا تھا۔"

چادر کو اپنے جسم پر لپیٹ کر کانتا بستر پر سے کھڑی ہو گئی۔ پھر ایک ہاتھ سے کھڑکی کا پردہ ہٹا کر باہر باغیچے میں دیکھتے ہوئے بولی "آپ خود دیکھ لیجئے۔ سڑک کی روشنی باغیچے میں آ رہی ہے۔ باغیچے میں کسی کا نام و نشان تک نہیں۔۔۔۔"

کمار نے بھی کانتا کے پاس جا کر کھڑکی میں سے باہر جھانکا۔ باہر کوئی نہیں تھا۔ کانتا واپس بستر پر آ گئی۔ کمار نے کھڑکی کا پردہ ٹھیک کیا اور کانتا کے پاس آ کر بستر پر بیٹھ گیا۔

"آپ اب بھی کھڑکی کی طرف دیکھ رہے ہیں یقین کیجئے آپ کو ایسے ہی شبہ ہوا تھا وہاں کوئی نہیں آسکتا۔" کانتا نے کمار کے بازو پر اپنا ہاتھ رکھا۔ کمار نے کھڑکی پر سے دھیان ہٹا لیا اور دونوں آنکھیں بند کر کے کانتا کے جسم پر سے چادر سرکانے لگا۔

کمار کے ہاتھ ٹھٹھک گئے "باہر کسی کے چلنے کی آواز آ رہی ہے۔"

"باغیچے سے ایسی کوئی آواز آ ہی نہیں۔" کانتا نے کہا۔

"کھڑکی کی طرف نہیں، دروازے کی طرف ۔۔۔ باہر لکڑی کے فرش پر کوئی چل رہا ہے۔"

کانتا نے کان لگا کر سنا۔ کہیں کوئی آہٹ تک نہیں تھی۔ کمار کے بازو کو جھنجھوڑ

کر بولی" اگر آپ نے زیادہ شراب پی ہوتی تو میں سمجھتی کہ آپ کو نشہ ہو گیا ہے لیکن
آپ نے تو اچھی طرح پی بھی نہیں۔"

"میں نشے میں نہیں ہوں کانتا۔ باہر سچ مچ کوئی چل پھر رہا تھا۔ قدموں
کی چاپ صاف سنائی دے رہی تھی۔"

"اگر کوئی باہر آیا بھی ہو ــ تو کیا ہے۔ میں نے دروازے کی چٹخنی چڑھا رکھی ہے۔"
کمار نے چپ چاپ اپنا سر تکیہ پر رکھ دیا۔ کانتا نے کمار کا ہاتھ پکڑا اور اس
کے بازو کو اپنی کمر کے گرد لپٹا لیا۔

"تم نے کانچ کی اتنی چوڑیاں کیوں پہن رکھی ہیں؟"

"کانچ کی چوڑیاں؟"

"ان کے کھنکھنانے کی اتنی آواز آتی ہے......"

"لیکن میں نے تو کانچ کی کوئی چوڑی نہیں پہن رکھی۔"

کمار چونک کر پلنگ پر اٹھ بیٹھا۔ اس نے کمرے کی بتی جلائی اور کانتا کی دونوں
خالی کلائیوں کی طرف دیکھتے ہوئے بولا" پھر وہ چوڑیوں کی آواز کہاں سے آئی تھی؟"
کانتا نے کوئی جواب نہیں دیا۔ کمار کا پورا جسم کپکپانے لگا اور اس نے کپکپاتے
ہونٹوں سے کانتا سے کہا وہ ٹیکسی کے پیسے لے کر اپنے گھر چلی جائے۔ اس کی
طبیعت ٹھیک نہیں۔ شاید سونے سے ٹھیک ہو جائے۔

کانتا خاموش رہی۔ چادر کو اپنے گرد لپیٹ کر وہ بستر میں سے نکل آئی۔ اور میز

پر پڑے ہوئے اپنے کپڑے اٹھا کر اور غسل خانے کا دروازہ بھیڑ کر کپڑے پہننے لگی۔
کانتا جب چلی گئی اور کمار اپنے کمرے کا دروازہ بند کر کے پلنگ پر آ لیٹا تو اُسے خیال آیا۔۔۔۔ کھڑکی پر پڑتا ہوا الکا کا سایہ۔۔۔۔۔۔ دروازے کے باہر اس کے قدموں کی چاپ۔۔۔۔۔ اور اس کی کلائیوں میں پہنی ہوئی کانچ کی چوڑیوں کی کھنک۔۔۔۔ اس نے جو کچھ دیکھا تھا اور جو کچھ سنا تھا وہ اور کچھ نہیں تھا، یہ وہ راستہ تھا جو پاگل پن کے ایک تاریک غار کی طرف جا رہا تھا۔

۸

صبح ہوتے ہی کمار کے لئے جب ملازم چائے لے کر آیا تو کیول کرشن بھی اس کے ساتھ تھا۔ آتے ہی اس نے کمار کے ماتھے کو چھُوا۔

"بخار دیکھ رہے ہو؟"

"مجھے ڈر تھا کہیں بخار نہ ہو گیا ہو۔"

"کیوں؟"

"شاید تم نے رات بہت پی لی تھی۔ تمہیں عادت نہیں زیادہ پینے کی سر چکرا رہا ہوگا۔
کمار نے پلنگ پر سے اُٹھ کر چائے کا پیالہ بنایا اور وہ پیالہ کیول کرشن کو دے کر اپنے لئے ایک گلاس میں چائے بناتے ہوئے بولا "تمہیں کس نے کہا ہے کہ میں نے بہت پی لی تھی۔؟"

"فکر سے میں رات بھر سو نہ سکا۔ ایک بار اُٹھ کر بھی آیا تھا تمہیں دیکھنے کے لئے لیکن دروازہ بند تھا۔ کمرے کی بتی بجھی ہوئی تھی۔ میں نے سوچا سو گئے ہو گے اس لئے میں نے دروازہ نہیں کھٹکھٹایا۔"

"لیکن تم سے کہا کس نے تھا کہ میں نے بہت پی لی تھی۔؟"

"آدھی رات کے قریب کاننا کا ٹیلیفون آیا تھا۔ وہ بڑی سہمی ہوئی تھی۔"

"اور اس نے کہا کہ میں نے بہت پی لی ہے۔"

"نہیں، اس نے یہ نہیں کہا تھا۔ میں نے ہی سوچا کہ شاید تم زیادہ پی گئے تھے اسی لئے کاننا سے اس قسم کی باتیں کرتے رہے۔"

"کس قسم کی باتیں۔"

"چلو چھوڑو اس کی باتوں کو لیکن تمہیں ہوا کیا تھا؟"

"وہ کیا کہتی تھی؟"

"کہتی تھی۔ . . . ."

"بتاتے کیوں نہیں؟"

"وہ مجھ سے خفا تھی کہ میں نے اسے ایک پاگل آدمی کے پاس کیوں بھیجا تھا۔"

کمار ہنس پڑا کیول کرشن میز پر پڑی ہوئی بوتل کی طرف دیکھ کر بولا "لیکن بوتل تو ویسی کی ویسی رکھی ہے۔ مشکل سے دو پیک پئے ہوں گے تم نے۔"

"ایک میں نے پیا تھا، ایک کاننا نے۔"

"پھر تمہیں ہوا کیا تھا؟"

"نہ جانے کیا ہوا تھا؟"

"تمہیں رات کھڑکی میں سے جن بھوت دکھائی دیتے رہے تھے۔"

"جن بھوت تو نہیں ایک جنّی ضرور دکھائی دیتی رہی تھی۔"

"کانتا کہتی تھی کہ تمہیں کہیں سے کانچ کی چوڑیوں کی آواز سنائی دیتی رہی۔"

"جنّی نے سبز رنگ کی چوڑیاں پہن رکھی تھیں۔

"سچ سچ بتاؤ تم اس قسم کی باتیں کرکے کانتا کو ڈرا کیوں رہے تھے؟"

"اسے نہیں ڈرا رہا تھا۔ میں تو خود ڈر رہا تھا۔"

"کانتا سے؟"

"اس بے چاری سے کیوں ڈرتا . . . . ."

"شاید تمہیں کانتا پسند نہیں آئی۔ لیکن تمہیں اس سے کچھ نہیں کہنا چاہیئے تھا صبح مجھے بتا دیتے۔ میں کسی اور کو بلوا دیتا۔"

"اس میں کانتا کا کوئی قصور نہیں۔"

"کمار نے کیول کرشن کو یقین دلایا کہ رات جو کچھ ہوا تھا شراب کا ایک پیگ پی لینے کی وجہ سے ہی ہوا تھا۔ کیوں کہ اسے شراب پینے کی عادت نہیں۔ اسے چکر آ گیا تھا اور اسی لئے اسے کھڑکی میں کسی کا سایہ نظر آ رہا تھا اور یہ بھی کہ اس میں کانتا کا کوئی قصور نہیں تھا۔ لیکن کیول کرشن کو اس کی ان باتوں پہ بالکل یقین نہیں آیا۔ اس نے سوچا کہ اصل میں

کمار کو کانتا پسند نہیں آئی تھی۔ وہ کانتا کو اپنے کمرے میں سے نکالنا چاہتا تھا اسی لئے اِدھر اُدھر کی ہانکتا رہا تھا۔

"اچھا میں تمہارے لئے ایک بہت خوبصورت لڑکی کا انتظام کر دیتا ہوں پیسے کچھ زیادہ لیتی ہے لیکن کوئی بات نہیں" کیول کرشن نے کہا اور پھر کچھ دیر رُک کر بولا۔

"آج کہو تو آج 'کل کہو تو کل' ــــ جب کہو۔"

کمار کچھ دیر تک اپنے دوست کے چہرے کی طرف دیکھتا رہا۔ پھر اس نے چائے کا ایک گھونٹ بھر کر پوچھا "کتنے روپے لیتی ہے؟"

"جتنے روپے میں تمہاری ایک پینٹنگ بکتی ہے۔" کیول کرشن نے ہنس کر جواب دیا

"کیا مطلب؟"

"میرا مطلب ہے کہ ایک عام سی پینٹنگ۔ یوں تو تمہاری پینٹنگ کا ایک ہزار روپیہ بھی مل سکتا ہے۔ اس سے بھی زیادہ مل سکتا ہے۔ لیکن عام پینٹنگ کا جس طرح دو ڈھائی سو روپیہ ملتا ہے......"

"وہ دو ڈھائی سو ایک رات کا لیتی ہے۔؟"

"شہر میں دو ڈھائی سو ــــ اگر شہر سے باہر جانا ہو تو دو سے ضرب دینی پڑتی ہے۔ لیکن تم روپیوں کی فکر کیوں کرتے ہو؟"

ملازم چائے رکھ کر چلا گیا تھا۔ چائے کے برتن لینے کے لئے آیا تو کمار نے اُسے اور گرم چائے لانے کو کہا۔ ملازم کے جانے کے بعد کیول کرشن نے پھر کمار سے کہا۔

"تم روپیوں کی فکر مت کرو۔ صرف یہ بتادو کہ کب بلاؤں تم کبھی کبھار ہی شہر آتے ہو۔۔۔۔۔۔ وہاں پہاڑوں میں تمہیں کیا ملتا ہوگا۔۔۔۔۔ ویسے پہاڑ ہیں ہوتی تو خوبصورت ہیں"۔

کمار کچھ نہ بولا میز کی دراز میں سے سگریٹ نکال کر پینے لگا۔

"کیا سوچ رہے ہو؟"

"کچھ نہیں"۔

"تو کیا میں آج رات اسے بلوادوں؟"

"ایسی بھی کیا جلدی ہے۔ ابھی میں پندرہ دن اور یہاں ہوں"۔

"اصل میں بات یہ ہے کہ کل میں اپنی بیوی کو اس کی ماں کے یہاں پہنچا آیا تھا۔ اس کی ماں کچھ بیمار تھی لیکن دو راتیں اس کے پاس رہ کر کل واپس آجائے گی۔۔۔ پھر مشکل پڑے گی۔۔۔۔"

"تو جانے دو اس بات کو ــــ پھر کبھی سہی"۔

"کسی کو صرف یہاں بُلانا مُشکل ہوگا۔ کسی ہوٹل میں تو پھر بھی ہو سکتا ہے"۔

"دیکھا جائے گا"۔

کمار نے بات ٹال دی۔ چھ دن گزر گئے۔ ساتویں دن دوپہر کے کھانے پر کیول کرشن نے کمار سے کہا "بات بن گئی ہے۔ میری بیوی ابھی تھوڑی دیر پہلے اپنی ماں کے یہاں چلی گئی ہے۔ اس کے چچا کی لڑکی بمبئی سے آئی ہوئی ہے۔ آج رات وہ وہیں رہے گی۔ میں آج

رات اُسے بلوا دوں گا۔"

کمار کچھ نہیں بولا۔ چپ چاپ کھانا کھاتا رہا۔ کیول کرشن نے پھر کہا "بہت خوبصورت ہے۔ کانتا تو اسکے سامنے کچھ بھی نہیں۔"

پانی پیتے ہوئے کمار کے سینے میں ہلکا سا درد ہوا لیکن گلاس کو میز پر رکھ کر جب وہ کرسی پر سے اٹھا تو اس کے سینہ کا درد بہت بڑھ گیا تھا۔

"پانی شاید بہت ٹھنڈا تھا......" کیول کرشن نے کہا اور دیکھا کہ کمار کو سانس لینے میں دشواری ہو رہی تھی۔ اس نے کمار کو اس کے کمرے میں لے جاکر پلنگ پر لٹا دیا۔

"فرج کے پانی سے کبھی کبھار اس طرح ہو جاتا ہے۔ ابھی ٹھیک ہو جائے گا۔" کیول کرشن نے کہا اور گرم پانی میں کچھ چمچ برانڈی کے ڈال کر اُسے پلا دیا۔

کچھ دیر تک کمار اسی طرح اُکھڑے اکھڑے سانس لیتا رہا۔ پھر شاید برانڈی کا اثر ہوا۔ اسے نیند آگئی۔

کیول کرشن کو کسی ضروری کام سے باہر جانا تھا۔ وہ چلا گیا۔ اگرچہ اسے یقین تھا کہ اب کمار کی طبیعت ٹھیک ہوگئی ہوگی۔ پھر بھی وہ دو گھنٹے میں ہی لوٹ آیا۔ آکر دیکھا تو کمار کا سانس اسی طرح اکھڑا ہوا تھا اور مارے درد کے اس کا رنگ پیلا پڑ گیا تھا۔

"جب ہم کھانا کھا رہے تھے اس وقت تو تمہیں کوئی تکلیف نہیں تھی۔"

"پانی پیتے وقت ہوئی تھی۔"

"کبھی پہلے بھی ہوئی ہے اس طرح؟"

"ایک بار ہوئی تھی۔"

"اسی طرح ـــــ اتنی زیادہ؟"

"اس سے کم تھی۔"

"اُس وقت تم نے کون سی دوا پی تھی؟"

کمار نے باتیں کرتے کرتے آنکھیں بند کر لیں۔ شاید درد بڑھ گیا تھا۔ کیول کرشن نے گرم پانی کی بوتل تولئے میں لپیٹ کر کمار کی چھاتی پر رکھ دی۔ کمار نے ایک بار آنکھیں کھولیں، بوتل کو دیکھا اور ایک عجیب سی مسکراہٹ اس کے ہونٹوں پر اُبھر آئی۔ شاید اسے وہ دن یاد آ گیا تھا جب اس نے الکا کا سر اپنے سینے سے لگا کر کہا تھا "میرے سینے میں جب کبھی درد ہو گا تم اپنا سر میرے سینے پر رکھ دیا کرو گی۔"

کیول کرشن نے کمار کے ماتھے کو چھُوا۔ ماتھا گرم تھا۔ درد کی وجہ سے شاید ہلکی سی حرارت ہو گئی تھی۔ اس نے ڈاکٹر کو بلانے کے لئے ملازم کو بھیج دیا۔

ڈاکٹر آیا۔ اُس نے کمار کے سینے اور پیٹھ کا معائنہ کیا۔ ایک انجیکشن لگا کر بولا "رات تک فرق پڑ جائے گا۔ کھانے کے لئے کچھ نہ دیجئے گا۔ بس گرم پانی کا سینک کیجئے۔ اگر رات تک فرق نہ پڑا تو ایک انجیکشن اور دینا پڑے گا۔ اگر بخار بڑھا تو فوراً مجھے اطلاع دیجئے گا۔"

ڈاکٹر چلا گیا۔ کیول کرشن حیران تھا کہ منٹوں میں کیا ہو گیا تھا۔ کمار بھی حیران تھا۔ اس درد کا احساس اُسے پہلی بار اُس وقت ہوا تھا جب اپنے گاؤں میں الکا کے ساتھ اس کی آخری شام تھی۔ لیکن اس وقت اُسے آج جتنی حیرانی نہیں ہوئی تھی۔ شاید اسی لئے کہ اس دن

آج جتنا درد نہیں تھا۔ اور کمار سوچ رہا تھا کہ خیالات کی گانٹھیں جسم کی نسوں میں کیونکر ایسے اُتر سکتی ہیں کہ نسوں میں سوزش ہو جائے .....

"عجیب بات ہے" کیول کرشن نے کمار پر اوڑھائی ہوئی چادر کے ساتھ ایک کمبل بھی جوڑ دیا اور بولا "تمہیں ایسا نہیں لگتا کہ کوئی چیز تمہیں کسی بات سے روک رہی ہے؟"

"لگتا ہے۔"

"قسمت کو اس طرح ضد کرتے میں نے کبھی نہیں دیکھا۔"

"میں نے بھی پہلے کبھی نہیں دیکھا۔"

"اس دن بھی عجیب بات ہوئی تھی۔"

"تم کانتا کو "ڈیول" کہتے رہے تھے ۔۔ اس سے پہلے میں نے کبھی تمہاری زبان سے اس قسم کے لفظ نہیں سنے تھے۔"

"تمہیں شاید معلوم نہیں ۔۔ تم شراب کے نشے میں تھے ....."

"میں شراب کے نشے میں نہیں تھا۔"

"بٹ اِٹ واز سم تھنگ مینٹل ....." [1] But it was some thing mental

"شاید۔"

"لیکن آج تو تم بالکل ٹھیک تھے ۔۔" "مینٹل [2] اب بھی ٹھیک ہو لیکن فزیکلی [3] کچھ ہو گیا ہے۔ تمہیں معلوم نہیں میں نے ٹیلیفون کر کے بات پکی کر لی تھی۔ اب پھر ٹیلیفون

---

[1] لیکن یہ کوئی ذہن سے تعلق رکھنے والی بات تھی۔

[2] ذہنی طور پر MENTAL [3] جسمانی طور پر PHYSICALLY

کر کے اسے منع کر آیا ہوں۔"

"وہ تم سے خفا نہیں ہوئی؟"

"بہت خفا تھی کیونکہ صبح میں نے اسے بڑی مشکل سے منایا تھا۔ اسے آج کسی دوسری جگہ جانا تھا۔ خیر کوئی بات نہیں، اس کی کسر پھر کبھی پوری کر دوں گا وہ مجھ سے خفا نہیں ہو سکتی۔ لیکن میں اس وقت اس کی بات نہیں سوچ رہا تھا۔ اس کا کیا ہے تم نہیں تو کوئی دوسرا سہی۔ میں تو تمہاری بات سوچ رہا ہوں۔"

"میری بات؟"

کمار نے کروٹ بدلی۔ درد کچھ تھم گیا تھا۔ لیکن کروٹ بدلنے سے سینے میں پھر ایک ٹیس اٹھی۔ اس نے کھینچ کر ایک سانس لیا اور گرم پانی کی سرکی ہوئی بوتل کو ہاتھ سے ٹھیک جگہ پر کیا۔

"تھوڑی سی چائے لو گے۔ چائے کا کوئی حرج نہیں۔"

"اچھا۔"

کیول کرشن نے چائے منگوائی۔ کمار کی پشت کو ایک گاؤ تکیے کا سہارا دیا اور اس کے لئے چائے کا پیالہ تیار کرنے لگا۔ چائے کے گھونٹ لیتے ہوئے کمار نے دو تین بار اپنی آنکھیں بند کیں۔

"درد زیادہ ہے؟"

"نہیں۔"

"تم کچھ سوچ رہے ہو؟"

"میں سوچ رہا ہوں کہ دنیا میں کوئی ایسی بیسوا بھی ہو سکتی ہے جو صرف ایک آدمی کی بیسوا ہو؟"

"جو ایک ہی آدمی کو اپنا جسم دے اور ایک ہی آدمی سے اس کے پیسے لے۔"

"پھر وہ بیسوا کیسے ہوئی؟!"

"یہی تو میں سوچ رہا ہوں کہ وہ بیسوا کیسے ہوگی۔"

کیول کرشن نے ہاتھ سے کمار کی پیشانی چھوئی، اُسے محسوس ہوا کہ بخار بڑھ گیا ہے اور کمار ہذیان کی حالت میں بک رہا ہے۔

ڈاکٹر رات کو ایک بار پھر آیا اور جب وہ انجیکشن کی سوئی اور سرنج کو گرم پانی میں صاف کر رہا تھا تو کمار نے ایک گہرا سانس لیا۔ اُسے لگ رہا تھا کہ وہ اپنے ہی خیالوں کی پگڈنڈی پر سے پھسلتا جا رہا تھا اور روز بروز بے بسی کے ایک اندھے کنوئیں میں اُترتا جا رہا تھا۔

۹

کمار نے الکا کو اپنی واپسی کی اطلاع نہیں دی تھی۔ بخار اُترنے کے بعد اس نے دلّی میں صرف دو دن آرام کیا تھا اور تیسری شام کو اس نے واپسی کی تیاری کر لی تھی۔ چنانچہ گاڑی جب پیرولا اسٹیشن پر پہنچی تو وہ اسٹیشن پر چاچا چلبو کو دیکھ کر حیران

رہ گیا۔ چاچا چیتو نے آگے بڑھ کر کمار کے ہاتھوں سے سوٹ کیس لے لیا اور بتایا کہ وہ پچھلے تین دن سے اسٹیشن پر بھیج رہی تھی۔

کمار کی زمین پیر دلا سے ڈیڑھ میل دور تھی اور یہ ڈیڑھ میل چڑھائی کا راستہ تھا چاچا چیتو کے آنے سے کمار کو آسانی ہو گئی ورنہ پیر دلا سے سوٹ کیس اٹھانے کے لئے اُسے کوئی آدمی تلاش کرنا پڑتا لیکن اسے تعجب ہو رہا تھا کہ الکا پچھلے تین دن سے چیتو کو اسٹیشن کیوں بھیج رہی تھی؟

نیچ ناتھ کو جاتی ہوئی چوڑی سڑک کے دائیں ہاتھ پہاڑ کی ہموار چھاتی پر کمار کی زمین تھی اس لئے بائیں ہاتھ کی پگڈنڈی اترنے سے پہلے ہی سڑک پر سے زمین کا سارا نقشہ نظر آنے لگتا تھا۔ سیڑھیوں کی طرح بچھے ہوئے دھان کے کھیت، اناروں اور امرود کے پیڑ اور جس حصے میں کمار کا اسٹوڈیو بنا ہوا تھا وہ بھی کمار نے پگڈنڈی کے سرے پر کھڑے ہو کر دیکھا۔ پھولوں کی لمبی کیاریوں کے پرے سرے پر نئی بنی ہوئی جھونپڑیاں کے سلیٹوں سے ڈھکے ماتھے شام کی لالی میں اپنا منھ اٹھا کر اس کی راہ دیکھ رہے تھے۔ چیتو چاچا کے ہاتھ میں وزن تھا اس لئے وہ پیچھے رہ گیا تھا۔ کمار نے کچھ دیر تک اس کا انتظار کیا اس کے بعد اس کے قدم خود بخود پگڈنڈی اُترنے لگے۔ کمار جب ان جھونپڑیوں کے پاس پہنچا تو اسے ایک جھونپڑی کے دروازے میں سے آگ کی روشنی نظر آئی۔ دروازے کی چوکھٹ کے پاس پہنچ کر اس کا دل اس زور سے دھڑکنے لگا کہ لمحہ بھر کے لئے وہ وہیں کا وہیں کھڑا رہ گیا۔

جھونپڑی میں بیٹھی ہوئی الکا نے شاید اس کے قدموں کی چاپ سن لی تھی اس لئے وہ اٹھ کر دروازے کی طرف بڑھی ۔۔ اس وقت اگر کوئی اونچی پگڈنڈی پر سے اس جھونپڑی کی طرف دیکھتا تو اسے یہی لگتا کہ جھونپڑی کی چوکھٹ میں کسی نے دو بت تراش کر رکھ دیئے تھے ۔

جھونپڑی کے اندر بائیں دیوار کے ساتھ ایک کچا چبوترہ سا بنا ہوا تھا اور اس پر اون کا بنا ہوا ایک پہاڑی غالیچہ بچھا ہوا تھا۔ چبوترے کے سامنے کسی پیڑ کا ایک کٹا ہوا تنا رکھا تھا جس پر سرسوں کے تیل کا دیا جل رہا تھا۔ دیوار کے کونے میں مٹی کی لمبی انگیٹھی میں تین موٹی موٹی لکڑیاں جل رہی تھیں ۔ جلتی ہوئی لکڑیوں کی روشنی الکا کی پشت کی طرف تھی اس لئے الکا کے چہرے پر سے یہ نظر نہیں آرہا تھا کہ اس کے چہرے پر کتنے رنگ آئے تھے اور کتنے گئے تھے ۔

سڑک پر سے اتر کر پگڈنڈی پر کھڑے کھڑے جس طرح کمار کے قدم خود بخود آگے بڑھنے لگے تھے اسی طرح کمار کی باہیں بھی خود بخود آگے بڑھ گئیں اور اس نے الکا کو اپنے ساتھ سٹا لیا۔

الکا نے جب کمار کو مٹی کے چبوترے پر بٹھایا تو کمار کا چہرہ روشنی کی طرف تھا۔ الکا نے قدرے غور سے اس کے چہرے کی طرف دیکھا اور پھر اس کے کندھے پر ہاتھ رکھتے ہوئے بولی " بیمار ہو گئے تھے ؟"

"تمہیں کس نے بتایا ؟" کمار نے الکا کی طرف دیکھا لیکن الکا کی پشت کی طرف

روشنی ہونے کی وجہ سے امی کے چہرے پر پڑ رہی ہے اندھیرے میں اس کی آنکھیں تو نظر آ سکتی تھیں مگر آنکھوں میں آئے ہوئے آنسو نظر نہیں آ سکتے تھے۔

"کتنے کمزور ہو گئے ہیں!" الکا نے آہستہ سے کہا اور آگ کے پاس ڈھانپ کر رکھی ہوئی چائے پھر کے پیالوں میں انڈیلنے لگی۔

"صرف دو دن بیمار رہا تھا، زیادہ نہیں"۔ کمار نے الکا سے کہا اور الکا کے ہاتھوں سے چائے کا پیالہ لے کر پوچھا "لیکن تمہیں کیسے معلوم ہوا کہ میں آ رہا ہوں تم چاچا چلیتو کو روز اسٹیشن پر کیوں بھیجتی رہی ہو۔ تم نے کل بھی اسے بھیجا تھا۔ پرسوں بھی۔

میرا قصور نہیں، اس چائے کا قصور ہے الکا نے اپنے پیالے سے چائے کا گھونٹ بھرا اور ہنس کر بولی" پرسوں میں نے اپنے لئے چائے بنائی کیتلی سے چائے ڈال کر جب میں پیالہ اٹھانے لگی تو میں نے دیکھا کہ میں نے ایک کے بجائے دو پیالوں میں چائے ڈال دی ہے، مجھے لگا کہ آپ آ رہے ہیں اور میں نے چاچا چلیتو کو اسٹیشن پر بھیج دیا"

کمار کو محسوس ہوا کہ اس کی آنکھوں میں امڈے ہوئے آنسو اس کے گالوں پر بہنے والے ہیں لیکن پھر جیسے تیسے وہ ہنس کر بولا تم میں اور گاؤں کی اس الھڑ چھوکری میں کوئی فرق نہیں جس کی پرات میں سے اگر آٹا گوندھتے وقت کچھ آٹا اچھل جائے تو سمجھ لیتی ہے کہ آج کوئی مہمان آئے گا"

"اصل میں میں چار یا پنج دن سے ڈری ہوئی تھی"۔

"کیوں؟"

"میں نے ایک سپنا دیکھا، سپنے میں آپ نے مجھے بہت آوازیں دیں۔ آپ آوازیں دیتے رہے اور میں انہیں سنتی رہی لیکن میں جدھر سے بھی گزر کر آپ کی طرف آنے کی کوشش کرتی، میرے سامنے لوہے کا ایک جنگلہ آجاتا تھا۔ شاید مجھے اسٹیشن کا خیال آرہا ہو۔ اسٹیشن پر جس طرح کے جنگلے لگے ہوتے ہیں بالکل ویسا ہی وہ جنگلہ تھا۔ آپ اس طرح مجھے آوازیں دے رہے تھے جیسے آپ کو اس وقت میری بہت ضرورت ہو۔ آوازیں سنتے سنتے ہی میری نیند اُچٹ گئی۔"

"السکا!"

"صبح اُٹھ کر میرے جی میں آیا کہ میں فوراً دلی کے لئے چل دوں لیکن پھر مجھے خیال آیا کہ آپ خفا ہوں گے۔"

مجھے سچ مچ تمہاری بہت ضرورت تھی۔" کمار نے ہاتھ میں پکڑا ہوا پیالہ پیڑ کے کٹے ہوئے تنے پر دیئے کے پاس رکھ دیا اور السکا کو کس کر اپنے سینے سے لگا لیا۔

"کیا ضرورت پڑ گئی تھی میری؟"

"بڑی ضرورت تھی ...... درد ہو رہا تھا، بخار ہو گیا تھا اس لئے ....."

"باہر کوئی آیا ہے۔"

"چیتو چاچا ہوگا۔"

کمار اُٹھ کر جھونپڑی سے باہر آگیا۔ چاچا چیتو سوٹ کیس کو زمین پر رکھ رہا تھا۔ کمار نے اُسے سوٹ کیس کو دوسری طرف اپنے کمرے میں لے جانے کے لئے کہا اور یہ بھی کہا کہ

وہ ہریا سے کھانا تیار کرنے کے لئے کہہ دے۔

واپس جھونپڑی آتے ہوئے کمار نے دیکھا کہ جھونپڑی کی دائیں دیوار پر الکا نے ایک بہت بڑی تصویر بنا رکھی تھی۔ سیاہ لکیروں میں ایک مرد کی ہیئت تھی اور سُرخ رنگ کی لکیروں میں ایک عورت کی مرد کی پشت کی ایک طرف ایک سورج تھا لیکن سورج کا بیشتر حصّہ اندھیرے میں چھپا ہوا تھا عورت کی پشت کی طرف بھی ایک سورج تھا اور یہ سورج پوری طرح منور تھا۔ مرد کی آنکھیں کھلی تھیں اور بڑی باریک بینی سے دنیا کی طرف دیکھ رہی تھیں۔ عورت کی دونوں آنکھوں پر مرد کا سایہ جیسے لپٹا ہوا تھا۔ کمار کتنی ہی دیر تک دیوار کی طرف دیکھتا رہا اور پھر آگ کی روشنی میں الکا کے چہرے کی طرف دیکھنے لگا۔

"ابھی میں ایسی فنکار نہیں کہ اچھی طرح بنا سکوں۔"

کمار کا دھیان فنکاری کی طرف نہیں تھا وہ صرف خیال کو دیکھتا رہا تھا۔ دیوار کی جس جگہ پر مرد کی ہیئت تھی اس کے پیچھے بہت کم جگہ چھوٹی ہوئی تھی۔ جیسے وہ بہت کم فاصلہ طے کر کے آیا ہو لیکن الکا نے جس راستے کی طرف سے عورت کو آتے دکھایا تھا وہ راستہ بہت طویل تھا اور اس پر گہرے سرخ رنگ بچھے ہوئے تھے جیسے وہ راستہ تمنّا اور تلاش سے معمور ہو۔ الکا نے اس راستے پر ذہنی اُلجھنوں کے گہرے سائے بھی ڈال رکھے تھے۔

کمار نے الکا کو اپنی بانہوں میں لے کر اس کی پیشانی چوم لی اور بولا۔

"تمہاری اس عورت کے پیروں کو پرنام کرنے کو جی چاہتا ہے۔"

الکا نے کمار کے کندھے پر سر رکھ کر آنکھیں بند کر لیں اور شاید کان بھی بند کر لئے کیونکہ کمار کے منھ سے یہ بات سننے کے بعد اور کچھ بھی سننے کی ضرورت نہ رہی تھی۔

"جانتی ہو میں نے اس جگہ کا نام چک[1] نمبر چھتیس کیوں رکھا تھا؟"

"یہ نام آپ نے رکھا تھا؟"

"پہاڑوں میں گاؤں کے نام نمبروں پر نہیں ہوتے ـــ شاید 'بار' کے علاقے کو چھوڑ کر اور کہیں بھی نہیں ہوتے ـــ وہاں ہمارے گاؤں کا نام تھا چک نمبر چھتیس جب ایک سال کے اندر اندر میرے ماں باپ مر گئے تو ہماری ساری زمین پر میرے چاچاؤں نے قبضہ کر لیا۔ میں اُن دنوں بمبئی آرٹ اسکول میں پڑھتا تھا۔۔۔۔"

"آپ نے واپس جا کر زمین کا کچھ نہیں کیا؟"

"ایک بار گیا تھا لیکن زمین کا جھگڑا ابنٹانا میرے بس کی بات نہیں تھی۔ ویسے بھی میں ہمیشہ کے لئے گاؤں میں نہیں رہ سکتا تھا۔ مجھے شہروں میں رہنا تھا۔۔۔۔ کئی برس بعد جب میرے پاس کافی پیسے جمع ہو گئے تو میں نے یہاں آکر یہ زمین خرید لی۔"

"جیسے چک نمبر چھتیس کی زمین واپس لے لی۔"

اس وقت مجھے ایسا ہی لگا تھا اور اسی لئے میں نے اس کا نام چک نمبر چھتیس رکھ دیا تھا لیکن پھر کبھی مجھے اس بات کا خیال نہیں آیا۔ آج تمہاری جھونپڑی میں آکر مجھے اس طرح محسوس ہوا ہے جیسے میں اسی گاؤں میں اور اسی گھر میں کھڑا ہوں۔۔۔۔ اس

---

[1] پنجاب میں دیہاتوں کو چک کہتے ہیں۔

سے اس کا مقابلہ تو نہیں کیا جا سکتا لیکن میری ماں نے کمرے میں اسی طرح ایک چار پائی پر پھلکاری بچھا رکھی تھی اور کمرے کی دیوار پر گیروے رنگ کی مٹی سے لکشمی کی ایک تصویر بنا رکھی تھی۔ . . . . آج اس دیوار کی طرف دیکھتے ہوئے مجھے ایسا محسوس ہوا جیسے میری ماں کی بنائی ہوئی لکشمی وہاں سے چل کر یہاں آگئی ہو . . . . ۔"

اس طرح کی نرم و گداز باتیں کرنا کمار کے مزاج میں شامل نہیں تھا۔ الکا ان باتوں سے سرشار ہونے کے ساتھ ساتھ سہم رہی تھی کہ اگر ابھی کمار کو اپنے اس نئے انداز کا احساس ہو گیا تو وہ فوراً اپنی اصلیت پر آجائے گا اور اس کے دل پر پھر سے لوہے کا خول چڑھ جائیگا ــــ اسی اندیشے کے ماتحت الکا نے اس کا ہاتھ پکڑتے ہوئے کہا "چلئے کھانا کھا لیجئے۔"

"تم اب یہاں رہتی ہو یا گاؤں جایا کرتی ہو اپنے چوبارے میں؟"

"یہاں ــــ وہ چوبارہ میں نے چھوڑ دیا ہے۔"

"مجھے دوسری جھونپڑیاں نہیں دکھاؤ گی؟"

"کھانا کھا لیجئے ــــ اس کے بعد دکھا دوں گی۔"

"تم نے یہاں بجلی نہیں لگوائی؟"

"بجلی لگنے سے جھونپڑیوں کا ماحول نہیں بنتا تھا۔"

"میں نے اسٹڈیو کے لئے بڑی مشکل سے بجلی لی تھی پورا ایک سال لگ گیا تھا . . ."

"وہاں تو ضرور چاہئے تھی۔"

"لیکن — رات کو تمہیں ڈر نہیں لگتا — چاروں طرف سنسان ہے۔ ۔ ۔"

"ان دنوں میں صرف دو بار ڈر لگا تھا — لیکن وہ اس سنسان کی وجہ سے نہیں — مجھے دوبارہ ایسے سپنے آئے تھے کہ میں بہت ڈر گئی تھی۔"

"کیسے سپنے؟"

"ایک تو میں نے ابھی آپ کو بتایا ہے، جب آپ مجھے آوازیں دے رہے تھے۔ ایک اس سے سات آٹھ دن پہلے آیا تھا۔"

"سات آٹھ دن پہلے۔"

"میں نے سپنے میں دیکھا کہ میں جلدی جلدی کہیں جا رہی ہوں مجھے نہیں معلوم کہ کہاں — رات بہت گہری تھی اور میں رات کے اندھیرے میں چلتی چلی جا رہی تھی بس اتنا معلوم تھا کہ سڑکیں کسی شہر کی ہیں۔ پھر اندھیرے میں میں نے ایک کھڑکی کو کھٹکھٹایا۔ ایک دروازے کو بھی کھٹکھٹایا — نیند کھلنے پر مجھے یہ سپنا سمجھ میں نہ آیا — نہ جانے میں کہاں جا رہی تھی — میں نے کسی دروازے کو کیوں کھٹکھٹایا تھا۔ ۔ ۔ وہ دروازہ بند کیوں تھا۔ ۔ ۔ میں کچھ نہ سمجھ سکی۔ ۔ ۔ لیکن مجھے کافی دیر تک ڈر لگتا رہا۔"

"الکا سے لپٹا ہوا کمار کا ہاتھ کانپنے لگا اور اس کے منہ سے نکل گیا "لو ڈیول۔"

الکا کمار کے چہرے کی طرف دیکھنے لگی۔ دیکھتے دیکھتے بولی "میرا خیال تھا کہ اب تک آپ مجھے "ڈیول" کہنا بھول گئے ہوں گے۔"

کمار نے شاید الکا کی بات نہیں سنی۔ اس نے الکا کا ہاتھ پکڑ کر اسے غالیچے پر

بٹھا دیا اور اس کے دل میں خیال آیا کہ وہ دلّی کی اس رات کی پوری بات الکا کو بتا دے جس رات وہ کانتا کے پاس بیٹھا ہوا تھا اور کھڑکی پر الکا کا سایہ پڑا تھا اور دروازے پر اس کے قدموں کی چاپ سنائی دی تھی۔ لیکن کمار نے اپنے ہونٹ اس طرح بھینچ لئے جیسے کسی طرح اس کے منھ سے یہ بات نکل جائے گی بات بتلانے کے بجائے اس نے الکا سے ہی ایک بات پوچھی "تم نے اس دن اپنے ہاتھوں میں چوڑیاں بھی پہن رکھی تھیں؟"

الکا کی سمجھ میں یہ سوال نہیں آیا لیکن اپنی دونوں بانہیں آگے بڑھا کر بولی "میں نے اسی دن یہ نئی چوڑیاں پہنی تھیں۔ یا شاید ایک دن پہلے پہنی تھیں"

بات کو اندر اندر دبانا مشکل ہو رہا تھا لیکن کمار جیسے تیسے اسے دبانا چاہتا تھا۔ بات شاید اس کے ہونٹوں میں سما نہیں رہی تھی اس لئے اس نے اپنے ہونٹوں کو الکا کے ہونٹوں سے اس طرح پیوست کر دیا جیسے وہ ہونٹوں کو نہیں، اس بات کو بند کر رہا ہو۔

دلّی میں رہتے ہوئے کمار نے سوچا تھا کہ اب اسے اس کی جسمانی بھوک کبھی نہیں ستائے گی۔ اس نے تجربہ کر کے بھی دیکھ لیا تھا۔ کانتا اس کے بستر میں پڑی رہی تھی لیکن کمار کو کسی بھوک نے کچھ نہیں کہا تھا لیکن اب الکا کے سانسوں نے کمار کے جسم میں سوئی ہوئی بھوک کو نہ جانے کن پھونکوں سے جگا دیا اور کمار کو محسوس ہوا اس کا انگ انگ جل رہا تھا۔ کمار نے جھونپڑی کا دروازہ بند کر دیا۔ کونے میں جلتی ہوئی لکڑیوں پر ایک

اور سوکھی لکڑی رکھی اور جس وقت اس نے الکا کے جسم کے کپڑے اتار کر اسے اپنے ساتھ
لٹایا تو اسے لگا جیسے وہ جھونپڑی آگ کا ایک تالاب تھی اور وہ اس تالاب میں نہا رہا تھا۔

الکا کے پاس سے اُٹھتے اور کپڑے پہنتے ہوئے کمار کو محسوس ہوا کہ دل کی جو بات
وہ الکا کو نہیں بتانا چاہتا تھا، وہی بات اس کے جسم کے روئیں روئیں نے الکا کو بتا دی تھی

کمار اور الکا نے جب کمار کے کمرے میں جاکر کھانا کھا لیا تو کمار نے ہریا سے ایک
لالٹین جلانے کے لئے کہا اور پھر الکا سے بولا "چلو دوسری دونوں جھونپڑیاں بھی دیکھ آئیں"

تینوں جھونپڑیاں ایک سیدھ میں نہیں تھیں۔ ایک کا منھ پھولوں کی کیاریوں کی
طرف تھا، ایک کا پہاڑ کی کھائی کی طرف اور ایک کا مکی کے کھیت کی طرف تینوں کے پچھلی
طرف ایک مشترکہ آنگن تھا اور تینوں کے دروازے کے سامنے ایک چوڑا برآمدہ تھا
جو سلیٹوں کی چھت سے ڈھکا ہوا تھا اور ایک جھونپڑی کے سامنے سے بل کھا کر
دوسری جھونپڑی تک پہنچ جاتا تھا اور پھر دوسری جھونپڑی کے سامنے سے گزر کر تیسری
جھونپڑی تک۔ اسی برآمدے میں سے گزر کر کمار نے دوسری جھونپڑی کا دروازہ کھولا
اور ہاتھ میں پکڑی ہوئی لالٹین کی روشنی میں جھونپڑی کو دیکھنے لگا۔

پہلی جھونپڑی کی طرح اس جھونپڑی کی کھڑکی بھی تاڑ کے پتوں سے ڈھکی ہوئی تھی،
اور لکڑی کی ایک چٹخنی سے اسے بند کیا ہوا تھا۔ کھڑکی کو کھینچ کر کھولنے کے لئے سانکل
کی جگہ کوڑیوں کی ایک ڈوری بندھی ہوئی تھی۔ بیٹھنے کے لئے مٹی کا ایک چبوترہ اس جھونپڑی
میں بھی ویسے بنا ہوا تھا جیسے کمار نے پہلی جھونپڑی میں دیکھا تھا لیکن چبوترے سے لگی ہوئی

دیوار میں اوپر نیچے کتنے ہی چھوٹے چھوٹے طاق تھے اور ہر طاق میں ایک ایک دیا رکھا ہوا تھا۔

"اگر یہ سب دیئے جلا دیں۔ ۔ ۔" کمار نے اس طرح اُمڈ کر کہا کہ آواز اس کی اپنی نہیں لگتی تھی۔ شاید اسی لئے الکا نے اس کی بات کا جواب نہیں دیا۔

کمار نے لالٹین کی روشنی دوسری دیوار پر ڈالی۔ ساری دیوار پانی کی لہروں سے ڈھکی ہوئی تھی۔ چونے میں نیلا تھوتھا ملا کر الکا نے پانی کی یہ لہریں بنائی تھیں۔ کمار نے ذرا غور سے دیکھا، پانی کی چھاتی پر الکا نے ایک لکیر کھینچ رکھی تھی۔

"لوگ کہتے ہیں پانی میں لکیر نہیں پڑتی"

"آپ بھی یہی کہتے ہیں؟"

"نہیں، میں نہیں کہہ سکتا، کیونکہ میں اس لکیر پر پاؤں رکھ کر کھڑا ہوں"۔ الکا ہنسنے لگی۔

"مجھے نہیں معلوم کہ تم نے یہ لکیر کیوں کھینچی ہے لیکن میں نے اپنے طور پر اس کا کچھ مطلب نکالا ہے"۔

"کیا؟"

"میرے اپنے دل میں ایک لکیر کھینچی ہوئی ہے۔ لکیر کے ایک طرف بہت ٹھنڈا پانی بہہ رہا ہے اور دوسری طرف بے حد گرم"۔

"ایک طرف محبت دوسری طرف نفرت"۔

"الکا"

"جی"

"میں یہی کہنا چاہتا تھا لیکن کہا نہیں تم نے خود ہی کہہ دیا ہے۔ ۔ ۔ ۔ نہ جانے میرے اندر کیا چیز ہے کہ میں تم سے محبت بھی کرتا ہوں اور نفرت بھی۔"

"مجھے معلوم ہے۔"

"میں ایک پتلی سی لکیر پر کھڑا ہوں۔ نہ جانے کس وقت اور کس طرف میرا پاؤں پھسل جائے۔ ۔ ۔ ۔ ۔"

الکا خاموش رہی

کمار نے لالٹین والا بازو نیچے کیا اور جھونپڑی سے باہر آ کر تیسری جھونپڑی کی طرف جانے لگا۔

"اس میں ابھی کچھ کام باقی رہتا ہے" الکا نے کہا۔ پیچھے پلٹتے ہوئے کمار نے الکا سے کہا کہ اگر اسے جھونپڑی میں ڈر لگتا تھا تو وہ اس کے کمرے میں چلی آئے۔

"میں یہیں اپنی جھونپڑی میں سوؤں گی" الکا نے پہلی جھونپڑی کا دروازہ کھولا اور دیئے میں تیل ڈال کر اس کی بتی کو اونچا کیا۔

اپنے کمرے میں جاتے ہوئے کمار سوچ رہا تھا کہ اس دنیا میں دوسری اور کوئی عورت اُسے اس طرح نہ باندھ سکتی تھی۔ یہ صرف الکا تھی جس نے اس کی باہوں کو اور اس کے خیالوں کو اپنے ہاتھوں میں کس کر پکڑ رکھا تھا۔

اس پکڑ پر کمار کو پیار بھی آتا تھا اور غصّہ بھی اور وہ سوچ رہا تھا کہ الکا نے کتنی سچی تصویر بنائی تھی۔ اس کے دل کے پانیوں میں ایک لکیر کھینچی ہوئی تھی اور اس لکیر پر وہ دونوں پاؤں رکھے کھڑا تھا اور کمار کو محسوس ہوا کہ کھڑے کھڑے اب اس کے پاؤں تھک گئے تھے اب وہ ضرور اس لکیر پر سے گر پڑے گا۔ لیکن اُسے یہ پتہ نہیں چل رہا تھا کہ وہ ہمیشہ کے لئے محبّت کی طرف گر پڑے گا یا نفرت کی طرف۔

۱۰

کمار الکا کے لئے دلّی سے لال رنگ کے مہین سوت کی بنی ایک دھوتی لایا تھا۔ الکا آج نہا کر جب وہی دھوتی باندھ رہی تھی تو اسے ایسا لگا جیسے ایک گیت پہاڑ کی پگڈنڈی پر سے اُتر کر اس کی جھونپڑی کی طرف آ رہا تھا۔ اس نے کان دھرا گیت قریب اور قریب آ رہا تھا۔

دُکھاں والا ڈھلڑوں توں میرے کنّے دی دے
تا لنگ جا اگاڑسی میرے ماہنواں
او پکھلیا ماہنواں![1]

الکا سمجھ گئی کہ ناتھی آ رہی تھی۔ ناتھی کو اس گیت کے اور چھور کا کچھ پتہ نہیں تھا۔ بس ایک ہی سطر آتی تھی اور ناتھی جانتی تھی کہ الکا جب کبھی رو میں ہوتی تھی تو وہ منّت کر کے

---

[1] دُکھوں کی ٹھڑ لیا تو مجھے دے دے۔ اور تم میرے آگے چلو راہی۔ او میرے اجنبی راہی

ناتھی سے یہ گیت سنا کرتی تھی۔ گیت کیسا، بس اسی ایک سطر کو بار بار سننے کا اڑنگا لگا دیتی تھی اور اسی لئے ناتھی جب بھی الکا سے ملنے یا الکا سے پڑھنے کے لئے آتی تھی تو چوڑی سڑک سے۔۔۔ پگڈنڈی پر اترتے ہی لہک لہک کر یہ گیت گانے لگتی تھی۔

الکا نے جب سے یہ گیت سنا تھا وہ اس گیت سے گویا بندھ گئی تھی۔ نہ جانے اس وادی کی کس دل والی نے اس گیت کی تخلیق کی ہوگی! اور الکا سوچا کرتی تھی کہ یوں تو سارے ہی گیت اپنے سروں پہ دکھوں کی ڈلیا اٹھا کر چلتے ہیں۔ لیکن یہ گیت کس قسم کا تھا؟ یہ دوسروں کے دکھوں کی ڈلیا کو اپنے سر پر اٹھا لیتا تھا اور یہ گیت سنتے ہی الکا کو ہمیشہ یہ محسوس ہوتا تھا کہ پہلے بھی اس وادی میں کوئی کمہار ایسا مرد ہو گزرا تھا جو کہیں بندھ کر نہیں رہ سکتا تھا اور پہلے بھی اس وادی میں کوئی الکا ایسی عورت ضرور تھی جس نے اس مرد سے کہا تھا کہ تمہارے سر پہ رکھے ہوئے دکھوں کی ڈلیا کو اب میں اٹھا لیتی ہوں۔ تم ہلکے ہو کر آگے بڑھ جاؤ۔

ناتھی کی سمجھ میں یہ گیت کبھی نہیں آیا تھا۔ لیکن یہ گیت سنتے ہوئے جب الکا کی آنکھیں بوجھل ہو جاتی تھیں تو ناتھی کی آواز میں اور بھی چہک آجاتی تھی — اور جب ناتھی گیت کے بولوں کو کھینچ کر کہتی تھی "وے پکھلیا ماہنواں، وے مریا ماہنواں" تو الکا کی آنکھیں جیسے بوکھلا کر اس رشتے کو ڈھونڈنے لگتی تھیں، جس رشتے سے کوئی ایک ہی گیت کی ایک ہی سطر میں کسی کو "میرا" بھی کہہ سکتا ہے اور اجنبی بھی کہہ سکتا ہے۔

ناتھی نے جھونپڑی میں آکر شہد سے بھرا ہوا کوزہ پیڑ کے کٹے ہوئے تنے پر رکھ دیا۔

الکا کمار کے لئے ناتھی سے شہد خریدا کرتی تھی۔

ناتھی نے بھرپور نظروں سے الکا کی طرف دیکھا اور ہنستے ہوئے اپنی چھاتی پر ہاتھ رکھ کر بولی — "ہائے نی ماں! ایہہ کھدر رے ناچیلوا اے؟"[1]

الکا ہنس پڑی۔

"نہائی دھوئی کے تجو اتنا روپ چڑھتا اے۔ میرے من بڑی ممتا لگدی۔[2]"

ناتھی نے کہا اور چبوترے پر بیٹھ گئی۔

"تم نے یہ گیت بیچ میں ہی کیوں چھوڑ دیا" الکا نے ہاتھ میں پکڑی ہوئی کنگھی طاق میں رکھ دی اور ناتھی کے پاس چبوترے پر بیٹھ گئی۔

"گھڑیلو چکی کری ست بل پٹی جاندے تیرے لکے وِچ۔ دُکھاں دا ڈھلڈو کھتے گیل گیل لئی پھرنا[3]" ناتھی ہنسنے لگی۔

الکا جب کبھی یہ گیت سننے کے لئے بے چین ہو جاتی تھی — ناتھی اُسے اسی طرح زچ کیا کرتی تھی۔ "اچھا اب جب تمہارے رسیا کا خط آئیگا میں تمہیں پڑھ کر نہیں سناؤنگی — الکا نے ناتھی کی مینڈھی کھول دی اور ہنسنے لگی۔

"بھلا بی بی میں نریلو دنگی، توں چٹھی پڑھی دیاں[4]"

---

[1] ہائے ری ماں! یہ کھدر کی قمیض ہے؟

[2] نہانے دھونے سے تم پر اتنا حسن آجاتا ہے مجھے تم پر بڑا پیار آتا ہے۔

[3] گھڑا اٹھانے سے تو تمہاری کمر میں سات بل پڑ جاتے ہیں دکھوں کی ڈلیا اٹھا کر کیسے چلوگی

[4] بی بی میں تمہیں ناریل دوں گی۔ تم خط پڑھ دینا۔

"نرملا تم پھر دینا، چل آئیں تمہیں چائے پلاؤں"۔ الکا نے کہا اور برآمدے کے چولہے میں آگ جلا کر چائے بنانے لگی۔

چائے پی کر الکا ناتھی کو کچھ دُور تک چھوڑنے کے لئے جا رہی تھی کہ اس نے دیکھا، کمار ہاتھ میں ایک کاغذ لئے اس کی طرف آرہا تھا۔ الکا رک گئی۔ کمار نے پاس آکر الکا کے ہاتھ میں ایک تار تھما دیا۔ الکا نے لفافہ کھولا۔ تار پڑھا اور کاغذ کو تہہ کر کے پھر لفافے میں ڈال دیا۔

"پتاجی کا تار ہے؟"

"ہاں"

"کوئی خاص بات؟"

"کوئی خاص بات نہیں مجھے بلایا ہے۔"

"کب جاؤ گی؟"

"جاؤں گی نہیں خط لکھ دوں گی۔"

"نہیں الکا، اگر وہ بلا رہے ہیں تو جانا ہی چاہیئے۔

"جس مقصد سے وہ بلا رہے ہیں، اس کے لئے جانے کی ضرورت نہیں۔"

کمار نے آگے کچھ نہیں کہا۔ وہ جانتا تھا کہ جس مقصد کے لئے الکا کو جانے کی ضرورت نہیں تھی وہ مقصد کیا ہو سکتا تھا؟

ناتھی چلی گئی۔ کمار الکا کے ساتھ واپس اس کی جھونپڑی میں آگیا اور اس نے

اپنے کوٹ کے جیب میں سے ایک اور تار نکال کر الکا کو پکڑا دیا۔ یہ تار بھی الکا کے پتاجی کا تھا لیکن یہ کمار کے نام تھا۔ اس میں درج تھا کہ وہ الکا کو ضرور بھیج دے۔

"گاڑی دوپہر کو جاتی ہے۔"

"ہر روز دوپہر کو ہی جاتی ہے جس طرح آج جائے گی اسی طرح کل جائے گی ــــــ روز جائے گی۔"

"جب کسی پیروں کے آگے کوئی موڑ آجائے تو اس کا کوئی 'کل' نہیں ہوتا۔"

"میرے لئے کوئی موڑ نہیں، اس لئے سب کے سب "کل" میرے اپنے ہیں۔"

"میں نے اپنے آپ کے علاوہ کبھی کسی دوسری چیز پر اعتبار نہیں کیا۔"

اس لئے آپ اس کل پر اعتبار نہیں کر سکتے؟ مجھے معلوم ہے کہ آپ نہیں کر سکتے۔ کیونکہ اس کل کا تعلق آپ کے ساتھ بھی اتنا ہی ہوگا جتنا میرے ساتھ۔ اور میں ابھی تک آپ کے لئے کوئی دوسری چیز ہوں۔"

"الکا! جب تم یہ سب جانتی ہو تو پھر مجھ سے کیوں پوچھتی ہو؟"

"میں نے پوچھا کچھ نہیں، میں تو صرف اس دن کا انتظار کر رہی ہوں جب میں آپ کے لئے کوئی باہر کی چیز نہیں رہوں گی۔"

"باہر کی چیز باہر کی چیز ہوتی ہے۔"

"میں کچھ نہیں کہتی ــــــ لیکن جب یہ چیز اندر کی چیز بن جائے تو مجھے بتا دیجئے گا۔"

"اچھا۔"

"آپ نہیں بتائیں گے تو بھی مجھے معلوم ہو جائے گا ـــ خیر اب بتائیے آپ مجھے کیا کرنے کو کہتے ہیں؟"

"امرتسر جا کر شادی کرنے کے لئے۔"

"ایک ہی شادی؟"

"اور کتنی؟" کمار ہنس پڑا۔

"اگر میری ایک شادی سے آپ کو تسلی نہ ہو تو میں دو کر لوں گی۔ اگر دو سے نہ ہو تو میں چار کر لوں گی ـــ جتنی کہیں گے اتنی کر لوں گی۔"

کمار کتنی دیر تک الکا کے منھ کی طرف دیکھتا رہا پھر ہنس کر بولا "اچھا جاؤ پہلے ایک تو کر کے دکھاؤ۔"

"دیکھنے آئیں گے؟ دیکھنے سے آپ کو اچھی طرح تسلی ہو جائے گی۔"

"کس بات کی تسلی؟"

کہ آپ نے مجھے اس حد سے پرے بھیج دیا تھا جسے پار کر کے کوئی واپس نہیں آ سکتا۔"

"ہاں"

"اگر پھر بھی آپ کو محسوس ہو کہ میں اس حد سے پرے ... نہیں گئی تو مجھے ایک اور شادی کرنے کے لئے کہہ آئیے گا۔"

جھونپڑی میں بنے ہوئے مٹی کے چبوترے پر بیٹھے بیٹھے کمار کو لگا کہ اس کے دل پر اور اس کے جسم پر الکا کا جادو پھر اثر کر رہا تھا۔ وہ چبوترے پر سے اٹھ کر جھونپڑی

سے باہر آگیا۔ اُسے محسوس ہوا کہ یہ وقت اس کا سب سے کڑا وقت تھا۔ السکا جب ایک بار یہاں سے چلی جائے گی تو پھر ہمیشہ کے لئے بیگانہ ہو جائے گی۔

ایک تو اس کا چہرہ مجھ پر جادو کرتا ہے اور دوسرے اُس کی باتیں۔ کوئی ڈاکٹر جس طرح مریض کو بتاتا ہے، کمار نے اپنے آپ کو بتایا اور پھر اس نے اپنے لئے ایک نسخہ بھی تجویز کر دیا۔ قانون جب اسے کسی دوسرے کے نام سے وابستہ کر دے گا، یہ جادو خود بخود ختم ہو جائے گا۔"

کمار نے دروازے کے پاس آکر السکا سے کہا۔ "مجھے آج بیجناتھ جا کر کیمرے کیلئے فلم لانا ہے۔ واپسی میں مجھے دیر ہو جائے گی اس لئے تم اپنے ساتھ چاچا چیتو کو اسٹیشن لے جانا یا اس سے کہنا کہ وہ تمہیں امرتسر تک چھوڑ آئے گا۔"

السکا نے اپنی لال رنگ کی دھوتی کے ایک کنارے کو اپنی مٹھی میں کسا اور بولی اچھا!"

کمار پھولوں کی کیاریوں کے پاس سے گذر کر اس پگڈنڈی پر چڑھ رہا تھا جو آگے جا کر بیجناتھ کو جانے والی سڑک پر پہنچ جاتی تھی۔ السکا اس کی پیٹھ کی طرف دیکھتی رہی۔ اُسے محسوس ہو رہا تھا کہ آج صبح کا گیت، گیت نہیں ایک پیشین گوئی تھی۔ آگے چلے جا رہے اس شخص کا بار ہلکا کرنے کے لئے دکھوں کی ٹوکری اٹھانے کا وقت آگیا تھا۔

۱۱

کمار جب بیجناتھ سے واپس آیا تو شام ڈھل چکی تھی۔ پکی سڑک پر سے اپنے چک

کی کچی پگڈنڈی پر آتے ہی وہ رک گیا۔ سامنے دھان کے کھیت تھے۔ سبزیوں اور پھولوں کی کیاریاں تھیں۔ اناروں کے پیڑ تھے اور ان پیڑوں سے گھری ہوئی جھونپڑیاں تھیں کمار سلیٹوں کی چھتوں کی طرف دیکھتا رہا جیسے دور سے ہی اُن سے پوچھ رہا ہو "اِلکا چلی گئی ہے۔۔۔ وہ جاتے وقت کچھ کہتی تو نہیں تھی؟ یہی کہتی ہوگی کہ میں دانستاً یہاں سے چلا گیا تھا۔۔۔۔ اگر میں جاتا نہیں تو کیا کرتا۔۔۔۔ وہ ضرور کوئی جادو کر دیتی۔۔۔ صبح لال دھوتی باندھ کر اس طرح لگ رہی تھی جیسے کسی نے لال رنگ کی پوٹلی میں کوئی جادو ٹونا باندھ رکھا ہو۔۔۔۔۔"

پگڈنڈی پر آہستہ آہستہ اترتے ہوئے کمار نے جنگلی پھولوں کی ایک ٹہنی کو ہاتھ سے تھپتھپایا اور سوچتا چلا گیا۔۔۔ آج میں بہت مضبوط تھا۔۔۔ اگر میں اس طرح اس کے جادو کو جھاڑ کر نہ چلا جاتا تو نہ جانے کیا ہو جاتا۔۔۔۔"

چلتے چلتے کمار نے مکی کے ایک بھٹے کو اس کے سنہری ریشوں سے پکڑ کر ہلایا اور ہونٹوں ہی میں بھسبھسایا "بس وہی وقت کڑا تھا۔۔۔ کڑا وقت میں نے گزار دیا ہے۔ اب کوئی ڈر نہیں۔۔۔۔"

سامنے انار کا پیڑ تھا۔ کمار نے انار کی ایک کلی توڑی اور دونوں آنکھوں سے اس کے لال رنگ کو گھورتے ہوئے بولا "صبح وہ بالکل تم جیسی لگ رہی تھی لیکن دیکھو! جس طرح میں نے تمہیں ان پتوں میں سے توڑ لیا ہے اسی طرح میں نے اسے اپنے دل میں سے توڑ دیا ہے۔۔۔۔"

سلیٹوں کی جھونپڑیوں کے پاس پہنچ کر کمار کو خیال آیا کہ وہ کتنی دیر سے ایک ایک پودے سے اور ایک ایک پتے سے الکا کی باتیں کر رہا تھا۔ اور اس نے اپنے قدم روک کر اپنے آپ سے کہا "میں اس طرف کس لئے آگیا ہوں مجھے اپنے کمرے میں جانا چاہیئے"۔

کمار نے جھونپڑیوں کی طرف بڑھتے ہوئے اپنے قدم دوسرے راستے پر ڈال دیئے۔ ڈوبتے سورج کی لالی بڑے غور سے کمار کے چہرے کی طرف دیکھنے لگی۔

کمار جب اپنے کمرے میں آیا تو ہریا نے بتایا کہ الکا بی بی صبح چلی گئی تھیں۔ چاچا چیتو بھی ان کے ساتھ گیا ہے اور ہریا نے بتایا کہ اسٹیشن پر پہنچ کر نہ جانے چاچا چیتو کو کیا ہوا کہ وہ بھی گاڑی میں بیٹھ گیا۔ نانی بھی اسٹیشن پر گئی تھی۔ وہ واپس آگئی ہے۔

جو کچھ ہریا نے بتایا تھا کمار نے سن لیا لیکن اپنی طرف سے کچھ نہیں پوچھا۔ ہریا کھانا لے آیا۔ کمار نے کھانا کھا لیا اور بستر پر لیٹ کر اس نے ایک کتاب پڑھنا شروع کر دی

"YOU GAVE ME BACK SOMETHING THAT BELONGED TO ME, SOMETHING THAT YOU DID NOT TAKE AWAY, MY CONFIDENCE IN MYSELF ...."

کمار نے جب یہ سطریں پڑھیں تو اسے محسوس ہوا کہ وہ کوئی عام سی کتاب نہیں پڑھ رہا تھا، بلکہ وید میں کوئی اشلوک پڑھ رہا تھا۔ آج الکا نے سچ مچ اس کی کھوئی ہوئی چیز اسے واپس کر دی تھی۔ یہ چیز وہ اپنے ساتھ نہیں لے جا سکی تھی اور کمار خوش

تھا کہ اپنے آپ میں اس کا اعتماد لوٹ آیا تھا۔

کمار نے اس کتاب کو کسی خاص ارادے سے پڑھنا شروع نہیں کیا تھا۔ اس نے سوچا تھا کہ کتاب پڑھتے پڑھتے وہ سو جائے گا اس لئے اس نے کتابوں کی الماری کے پاس جا کر جو بھی ہاتھ میں آئی تھی وہی کتاب نکال لی تھی۔ اس نے تو کتاب کا نام بھی نہیں پڑھا تھا۔

یہ سطریں پڑھنے کے بعد کمار کو محسوس ہوا جیسے وہ کتاب اپنے ہونٹوں سے اس کے دل کی باتیں کر رہی تھی اس لئے وہ بڑی امنگ سے اُسے پڑھنے لگا۔ آگے کی سطریں تھیں۔

THE ABILTY TO LOVE DEEPLY AND STEADFASTLY IS RARER THAN GREAT TALENT. TALENT SHOULD BE THE SERVANT OF LOVE. FOR, WITHOUT LOVE TALENT IS LIKE SEX WITH ONLY ONE BODY."

"کیا بکواس ہے" کمار کے منہ سے غصے سے نکلا اور اُس نے کتاب کو میز پر پٹک دیا۔ پھر میز پر جلتی ہوئی بتی بجھا دی اور سونے کے ارادے سے آنکھیں بند کر لیں۔

شاید الکا نے جاتے وقت میرے لئے کوئی خط لکھا ہوا کمار کو خیال آیا لیکن اس نے سوچا کہ اگر الکا نے اس کے لئے کوئی خط لکھا ہوتا، تو ہریا خود ہی اسے دے دیتا۔ پھر بھی اُس نے میز کی بتی جلائی اور غور سے میز کو دیکھنے لگا میز پر کوئی کاغذ نہیں تھا۔

کمار نے بتی بجھادی اور سوچنے لگا "الکا نے یہ اچھا ہی کیا کہ جاتے وقت کوئی پیغام نہیں چھوڑ گئی۔ . . . . ورنہ جس طرح وہ اپنی باتوں سے مخاطب کو پاگل کر دیتی ہے، اس نے خط لکھ کر بھی مجھے پریشان کر دینا تھا۔ . . ."

کمار نے آزادی کا ایک سانس لیا اور آزادی کی اس مسرت سے پوری طرح لطف اندوز ہونے کیلئے چارپائی سے اٹھ کر باہر امرودوں کے پیڑوں کے نیچے آ بیٹھا۔ رات تاروں کی روشنی سے بھیگی ہوئی تھی۔ کمار نے دونوں بانہیں پھیلا کر زمین کی طرف اور پھر آسمان کی طرف اس طرح دیکھا جیسے اس کی بانہیں ایک لڑکی کے جسم سے الگ ہو کر اتنی آزاد ہو گئی ہوں اور اتنی طویل و عریض بھی کہ اب وہ ساری زمین کو اور سارے آسمان کو خود میں سمیٹ سکتی ہوں۔

مسرت کا ایک گہرا سانس لیتے ہوئے کمار کے سینے میں ہلکا سا درد ہوا لیکن کمار کا جسم آج کسی بھی درد کو قبول کرنے سے منکر تھا۔

"چلو تاروں کی چھاؤں میں آنکھ مچولی کھیلیں۔"

کمار کو لگا کہ کسی نے اس کی پشت کی طرف سے یہ کہا تھا۔ اس نے چونک کر پیچھے کی طرف دیکھا۔ وہاں کوئی نہیں تھا۔

بائیں طرف جنگلی پھولوں کی ایک گھنی جھاڑی تھی۔ اسے لگا جیسے کوئی اس جھاڑی کے پیچھے کھڑا ہنس رہا تھا۔ کمار نے جھاڑیوں کی طرف جانے کے بجائے ماتھے پر بل ڈال کر اس جھاڑی کی طرف دیکھا۔

کمار کو محسوس ہوا کہ جس طرح دلّی میں ایک رات اسے الکا کا سایہ دکھائی دیا تھا اور اسے الکا کے قدموں کی چاپ سنائی دی تھی' آج بھی ویسا ہی کچھ ہونے والا تھا۔ بڑے غصّے سے وہ بولا "الکا!" اس طرح جیسے الکا ایک ننھی مُنّی لڑکی ہو' اسے بار بار چڑا رہی ہو اور اس وجہ سے وہ اسے ڈپٹ رہا ہو۔

"لیکن یہ الکا نہیں' میں ہوں — اب تم اور میں روز تاروں کی چھاؤں میں آنکھ مچولی کھیلا کریں گے۔" جھاڑی کے پیچھے سے آواز آئی اور کمار نے اس آواز کو پہچان لیا۔ یہ اس اداسی کی آواز تھی جس سے ایک بار اس نے آمنے سامنے کھڑے ہو کر گفتگو کی تھی سو "تم آگئیں . . . ." کمار نے آہستہ سے کہا اور سر کو نیچے جھکا لیا۔

اسی طرح سر جھکائے ہوئے کمار باغیچے میں گھومتا رہا اور پھر اس نے دیکھا کہ وہ اس جھونپڑی کے سامنے آ کر کھڑا ہو گیا تھا جس میں الکا رہا کرتی تھی۔ کمار نے ایک ٹھنڈا سانس بھرا اور جھونپڑی کا دروازہ کھول کر اندر چلا گیا۔

اندر گہرا اندھیرا تھا۔ کمار نے ہاتھوں سے پیڑ کے کٹے ہوئے تنے کو ٹٹولا — اسے معلوم تھا کہ اس تنے پہ ایک دیا اور ایک ماچس کی ڈبیہ رکھی رہتی تھی۔

کمار نے دیا جلایا۔ ویسے وہ سمجھ نہیں پا رہا تھا کہ اس نے دیا کیوں جلایا تھا۔ دیئے کی روشنی میں اُس نے اِدھر اُدھر دیکھا جھونپڑی کا ماحول بے حد اُداس تھا۔

کمار نے ایک گہرا سانس لیا اور بولا "تم مجھ سے کہیں بہتر ہو' تم اداس ہو لیکن تم اپنی اداسی کو چھپاتی نہیں۔ میں اداس ہوں لیکن میں اپنی اداسی کو تسلیم نہیں کرتا۔"

کمار نے کہا اور چبوترے پر اس طرح بیٹھ گیا جیسے اس نے جھونپڑی کے ساتھ اور بھی باتیں کرنی ہوں

دیوار کی طرف دیکھتے دیکھتے اُس کی نظر ایک طاق پر پڑی۔ طاق میں ایک کاغذ رکھا تھا۔ کمار کا جیسے پورا جسم دھڑکنے لگا جلدی سے اس نے کاغذ کو اٹھایا، لیکن جب کاغذ کی تہیں کھول کر وہ اُسے دیئے کی روشنی میں پڑھنے لگا تو اس کی آنکھیں جیسے پتھرا سی گئیں۔ اور کافی دیر تک وہ کاغذ پر لکھا ہوا ایک بھی لفظ نہ پڑھ سکا۔

کافی دیر بعد کمار نے پڑھا ـــــ انکل نے لکھا تھا

IT IS SO SIMPLE IT MAY BE IMPOSSIBLE TO EXPRESS

IT IS SO PERSONAL THAT IT IS HARD TO COMMUNNI-

GATE.

IT IS SO LONELY THAT IT IS DIFICULT TO SHARE.

IT IS SO SACRED THAT IT MAY BE TOO FRAGILE

TO TALK ABOUT, ONCE IT HAS LEFT ONE'S HEART

IT MAY EVAPORATE

کانپتے ہاتھوں سے کاغذ کو پکڑے ہوئے تنے پر رکھتے ہوئے کمار کے دل میں جو کچھ ہوا اسے ایک ہی چھاتی میں جھیلنا مشکل تھا۔ کمار نے چبوترے پر لیٹ کر اپنی آنکھیں بند کر لیں۔

نہ جانے کس وقت کمار کو نیند آگئی۔ رات بھر وہ اس چبوترے پر سویا رہا۔ اور سوتے میں ہی اس نے نیچے بچھے ہوئے غالیچے کو ایک طرف سے اٹھا کر اپنے اوپر اوڑھ لیا تھا۔ جب اس کی آنکھ کھلی، کھڑکی میں سے صبح کی ہلکی روشنی اندر آرہی تھی۔ کھڑکی کی طرف دیکھتے ہوئے اس کی نظر کوڑیوں کی اس لڑی پر پڑی جسے الکا نے تاڑ کے پتوں سے باندھ رکھا تھا اور کمار کو محسوس ہوا کہ الکا شادی کرانے کے لئے امرتسر چلی گئی تھی لیکن اپنا کلیرا[۱] یہیں چھوڑ گئی تھی۔

۱۲

امرتسر پہنچ کر جب الکا اپنے بنگلے میں داخل ہوئی تو وہ اسی لال دھوتی میں ملبوس تھی جسے اس نے کل چک نمبر چھتیس میں پہن رکھا تھا۔ راستے میں اس نے کپڑے نہیں بدلے تھے، بال بھی نہیں سنوارے تھے لیکن بکھرے ہوئے بالوں اور اس سوتی لال دھوتی نے الکا کے حسن میں نہ جانے کیوں اتنا اضافہ کر دیا تھا کہ الکا کی پیشانی چومتے وقت اس کے پتاجی کو خیال آیا کہ الکا کو کسی کی نظر نہ لگ جائے۔ پتاجی نے الکا کے لئے جس مرد کا انتخاب کیا تھا ان دنوں وہ انہیں کے بنگلے میں مقیم تھا اور اس وقت تانگے کی آواز سن کر وہ پتاجی کے ساتھ باہر آگیا تھا اور الکا کی طرف دیکھتے کا دیکھتا رہ گیا تھا۔ پتاجی نے الکا سے اس کا تعارف کرایا "کیپٹن جگدیش چندر رجمنٹ نیوی میں ہیں"۔ اور

---

[۱] شادی کے موقع پر کلائی کی چوڑیوں کے ساتھ باندھنے والی کوڑیوں کی لڑی۔

الکا کو اپنی بانہہ میں لے کر چائے پینے کے کمرے میں لے گئے۔ الکا نے چیتو کو اپنا کمرہ دکھا دیا اور وہ الکا کے سامان کو اس کمرے میں پہنچانے لگا۔

پتا جی نے الکا کو جگدیش چندر سے بالکل عام طریقے سے متعارف کرایا تھا اور مزید کچھ نہیں کہا تھا۔ چائے کی میز پر بھی وہ جگدیش چندر کی سفری زندگی کے وہ دلچسپ حالات سناتے رہے جو پچھلے تین چار دنوں میں خود جگدیش چندر نے انھیں سنائے تھے۔ الکا نے انہی باتوں سے اپنے پتا جی کی خواہش کا اندازہ لگا لیا تھا۔

جگدیش چندر بڑے اشتیاق سے الکا سے اس کی پینٹنگ اور پہاڑی زندگی کے بارے میں پوچھتا رہا۔ الکا بھی بڑے سلیقہ سے جواب دیتی رہی بلکہ سمندر کے بارے میں اس سے سوالات بھی کرتی رہی۔ لیکن اس دوران میں وہ برابر اس آنے والے وقت کے متعلق سوچتی رہی جب اس کا واسطہ اس سے زیادہ اہم باتوں سے پڑنا تھا۔

شام کے وقت پتا جی کسی کام سے باہر چلے گئے۔ الکا نے سمجھ لیا کہ وہ دانستہ اُسے جگدیش چندر کے پاس تنہا چھوڑ گئے تھے۔ وہ اپنے کمرے کی کھڑکی کے پاس اس طرح جم کر کھڑی ہو گئی جیسے زندگی کے اس نئے مطالبے کو اور اس مطالبے کی ہم پلہ اپنی ہمت کا موازنہ کر کے دیکھ رہی ہو۔ اسے وہاں کھڑے چند ہی لمحے گزرے تھے کہ کمرے کے دروازے پر آ کر جگدیش چندر نے اسے آواز دی اور پوچھا کہ کیا وہ اندر آ سکتا ہے؟

"آیئے" الکا نے کھڑکی سے ہٹ کر ہاتھ سے ایک کرسی کی طرف اشارہ کیا۔

"ابھی تک سفر کی تکان ہو گی . . . ." جگدیش چندر نے کمرے میں آ کر کرسی پر بیٹھتے

ہوئے بڑی اپنائیت سے الکا کی طرف دیکھا۔

"آپ تو بڑے لمبے سفر کرنے والے لوگوں میں سے ہیں پھر سفر کی تکان کے بارے میں اس طرح کیوں سوچتے ہیں؟" الکا ہنس پڑی اور سامنے کی کرسی پر بیٹھ گئی۔

"وہ تو ہم لوگوں کی عادت بن جاتی ہے۔ اصل میں میں وہاں آنا چاہتا تھا۔"

"کہاں؟"

"وہیں ـــــ تمہارے چک نمبر چھتیس میں۔"

"آجاتے۔"

"لیکن پتاجی تمہیں یہاں بلانا چاہتے تھے...... وہ بہت خوبصورت جگہ ہوگی؟"

"ہاں"

"اتنے دنوں بعد شہر میں آنے سے کچھ عجیب سا لگتا ہوگا؟"

"بہت ہی عجیب....."

"میرا خیال ہے کہ تمہیں سمندر کے کنارے کی زندگی بھی پسند آئے گی۔"

الکا نے پھسلتی نظر سے جگدیش کے چہرے کی طرف دیکھا اور ہنس پڑی۔ الکا کے ہنسنے پر جگدیش چندر کو احساس ہوا کہ الکا سے پوچھے بغیر ہی اس نے اس کی زندگی کو سمندر کے کنارے سے وابستہ کر دیا تھا۔ اس سلسلے میں اس نے بہت جلد بازی سے کام لیا تھا۔

"دراصل...." جگدیش چندر کرسی پر سے اٹھ کر الکا کی پشت کی طرف جا کھڑا ہوا اور پھر الکا کی کرسی پر ہاتھ رکھتے ہوئے جو کچھ اس وقت وہ محسوس کر رہا تھا، اس نے چل

کا توں کہہ دیا۔" میں نے یہ بالکل نہیں سوچا تھا کہ اتنی خوبصورت لڑکی سے میرا واسطہ پڑیگا۔"

"آپ نے کیا سوچا تھا؟"

"میں نے کچھ بھی نہیں سوچا تھا۔ ماں کافی عرصے سے شادی پر زور دے رہی ہے۔ اس بار چھٹیوں میں اس نے مجھے منا لیا تھا کہ میں شادی کر لوں گا۔ اس نے کئی جگہیں دیکھ رکھی تھیں۔"

"پھر کئی جگہوں میں سے آپ نے اس جگہ کو کیوں چنا؟"

"آپ کے پتاجی کو شاید کسی نے میرے بارے میں بتایا تھا۔ انہوں نے مجھ سے ملنے کی خواہش ظاہر کی اور میں یہاں چلا آیا۔ ویسے میں یہاں بھی ماں کے اصرار پر ہی آیا تھا۔ وہ کہتی تھی کہ اگر یہاں بات ہو جائے تو پھر کسی دوسری جگہ کے بارے میں سوچنے کی ضرورت نہیں۔"

"وہ مجھے جانتی ہیں؟"

"تمہیں نہیں، پتاجی کو جانتی ہیں۔"

جگدیش چندر نے کرسی پر رکھا ہوا ہاتھ الکا کے کندھے پر رکھ دیا۔ اس کے ہاتھ میں اس کے دل کی بات دھڑک رہی تھی وہ سوچ رہا تھا کہ وہ اس بات کو کہے تو کیسے؟

"سو آپ مجھ سے شادی کرنے کے لئے تیار ہیں؟" الکا نے خود ہی کہہ دیا۔

اگر صرف میری مرضی سے ہو سکتی ہو تو آج ہی ہو جائے بلکہ ابھی۔۔۔۔"

"لیکن اب شام کے وقت کیسے ہو گی؟" الکا ہنسنے لگی

جگدیش چندر کو اس کی ہنسی بہت اچھی لگی۔ اس کی مزاحیہ طبیعت پر پورا اُترنے کے لئے وہ بھی ہنس پڑا اور بولا "شادی کروانے والی عدالتیں رات کو بھی کھلی رہنی چاہئیں"۔ اور پھر اُس نے الکا کے کندھے پر رکھے ہوئے اپنے ہاتھ کو ذرا دبا کر کہا "لیکن یہ تو میری مرضی کی بات ہے! تم نے ابھی تک اپنی مرضی نہیں بتائی"۔

"میری مرضی کا تو آپ نے پہلے ہی فیصلہ کر دیا تھا کہ مجھے سمندر کے کنارے کی زندگی پسند آئے گی ۔" اس بار پھر الکا کو ہنسی آ گئی۔

جگدیش چندر نے جھک کر الکا کے گالوں کو چھونا چاہا لیکن الکا نے چہرہ پرے ہٹاتے ہوئے کہا "ابھی نہیں"۔

جگدیش چندر نے الکا کے کندھے پر رکھا ہوا ہاتھ اس طرح ہٹا لیا جیسے وہ اپنے صبر کا ثبوت دینا چاہتا ہو۔

"ابھی جب پتا جی آئیں گے تو انہیں تم بتاؤ گی یا میں بتا دوں؟"

جگدیش چندر نے الکا سے پوچھا۔

"جیسے آپ کی مرضی"۔

"میری چھٹیاں بہت کم رہ گئی ہیں . . . تم جو کچھ بھی خریدنا چاہو مجھے ذرا جلدی بتا دینا . . . ."

"مجھے کوئی چیز نہیں خریدنا لیکن عدالت والے ایک مہینے کی مدت مانگتے ہیں"۔

"میری ماں عدالتی شادی سے خوش نہیں ہو گی۔ اگر ہم دوسری طرح سے شادی کریں

تو کیا کوئی حرج ہو گا؟"

"کئی ملکوں میں آپ ایک سالہ شادی بھی کر سکتے ہیں اور دو سالہ بھی۔۔۔۔ اور ضرورت پڑے تو ایک مہینے کے لئے بھی۔۔۔۔ لیکن ہمارے ملک میں اس طرح کی شادیاں نہیں ہوتیں اس لئے رسمی شادی سے عدالتی شادی بہتر ہے۔"

"الکا!"

"جی"

"تم میرے ساتھ عمر بھر کے لئے شادی نہیں کرنا چاہتیں؟"

"کہہ نہیں سکتی گزر جائے تو پوری عمر گزر جائے اور نہ گزرے تو ایک مہینہ بھی نہ گزرے، ایک دن بھی نہ گزرے۔"

جگدیش چندر پہلے تو بہت حیران ہوا لیکن پھر ہنس کر الکا کی طرف دیکھتے ہوئے بولا۔ "دیکھنے سے یہ بالکل معلوم نہیں ہوتا کہ تم اتنی ایڈوینچرس لڑکی ہو۔"

"میں بالکل ایڈوینچرس نہیں ہوں۔"

"میں نے سوچا تھا کہ اگر کبھی کسی کے سامنے اس طرح کی شرط رکھنی ہو گی تو وہ میں رکھوں گا۔۔۔ ہمارے نیوی افسروں کی زندگی بڑی عجیب ہوتی ہے۔ نت نئے لوگوں سے واسطہ پڑتا ہے۔ اس لئے کئی بار ہمیں ساری عمر کا بندھن اچھا نہیں لگتا۔۔۔ لیکن معلوم ہوتا ہے کہ تم مجھ سے بھی زیادہ ایڈوینچرس ہو۔"

"میں بالکل ایڈوینچرس نہیں ہوں، بات صرف اتنی ہے کہ زندگی بڑی عجیب چیز

ہے۔ صرف نیوی افسروں کی ہی نہیں ہر کسی کی زندگی بڑی عجیب ہوتی ہے۔"

"تمہارا خیال ہے کہ شاید کسی وقت تم کسی دوسرے شخص سے محبت کرنے لگو۔"

"شاید نہیں، میں تو اب بھی کرتی ہوں۔"

جگدیش چندر بڑے تعجب سے الکا کے منہ کی طرف دیکھنے لگا۔ وہ ابھی تک کھڑا تھا، اب کرسی پر بیٹھ گیا۔ تھوڑی دیر بعد اس نے الکا سے پوچھا "پھر تم اس سے شادی کیوں نہیں کر لیتیں ــــ الکا؟"

"وہ مجھ سے شادی نہیں کرنا چاہتا۔"

جگدیش چندر کچھ دیر تک خاموش رہا پھر ہنستے ہوئے بولا "لیکن اب جبکہ تم کنواری ہو وہ تم سے شادی کرنا نہیں چاہتا اور جب تمہاری شادی ہو جائے گی تو وہ چاہے گا کہ تم طلاق لے کر اس سے شادی کر لو۔"

"شاید . . . . ."

جگدیش چندر کے دل میں ایک کسک سی ہوئی اور اس نے بڑھ کر الکا کا ہاتھ اپنے ہاتھ میں لیتے ہوئے کہا "میں تمہیں اتنی دور لے جاؤں گا کہ تمہیں کبھی اس کی خبر تک نہ ملے . . . ."

"میں جہاں بھی رہوں، مجھے اس کی خبر مل جائے گی۔"

جگدیش چندر نے الکا کا ہاتھ چھوڑ دیا اور بولا "میرا خیال ہے کہ تمہیں شادی نہیں کرنی چاہیئے۔"

"میرا بھی یہی خیال ہے کہ مجھے شادی نہیں کرنی چاہیئے۔"

"لیکن میں حیران ہوں کہ تم شادی کے لئے رضامند کیسے ہوگئیں؟"

"میں نے اس سے وعدہ کیا ہے کہ میں شادی کر لوں گی۔"

"اس کا تو یہ مطلب ہوا کہ اس نے یہ وعدہ تم سے زبردستی لیا ہے۔"

"ہاں"

"اس کا خیال ہے کہ جب کسی سے تمہاری شادی ہو جائے گی تو وہ ہمیشہ کیلئے تم سے جدا ہو جائے گا؟"

"ہاں"

"میرا خیال ہے کہ اس نے ٹھیک سوچا ہے۔"

"جگدیش چندر نے پیار سے الکا کا ہاتھ پکڑ لیا اور بولا" اس سے چاہے تمہارا کتنا ہی تعلق رہا ہو، مجھے اس کی پرواہ نہیں، زیادہ سے زیادہ یہی ہو سکتا ہے کہ تم سے اس کا جسمانی تعلق رہا ہو ـ یہ کوئی خاص بات نہیں۔ اس طرح تو میری زندگی میں بھی کئی لڑکیاں آئی ہیں۔ سب کی زندگی میں آتی ہیں۔ شادی سے پہلے کی باتوں کو نہیں کریدنا چاہیئے۔ مجھے تو بس اتنا بتا دو کہ مجھ سے شادی کرنے کے بعد کیا تم اس سے چوری چھپے ملا کرو گی؟"

"بالکل نہیں"

"اسے خط لکھو گی؟"

"بالکل نہیں"۔

جگدیش چندر نے کرسی سے اٹھ کر الکا کی پیٹھ پر اپنا ہاتھ رکھا اور بڑے پیار سے بولا" دین اِٹ از نتھنگ"۔

"لیکن ایک بات ہے"۔

"کیا؟"

"اگر کبھی مجھے یہ معلوم ہو گیا کہ اس نے اپنا ارادہ بدل دیا ہے اور اسے میری ضرورت ہے تو میں آپ سے طلاق لے کر اس کے پاس چلی جاؤں گی"۔

"چلو مجھے یہ شرط منظور ہے" جگدیش چندر ہنسا۔ پھر الکا کے گھنے بالوں میں سے ایک چھوٹی لٹ کو اپنی انگلی پر لپیٹتے ہوئے بولا۔" میں خوش ہوں کہ تم نے اتنی دلیری سے باتیں کی ہیں۔ تمہارے جیسی لڑکی کبھی جھوٹ نہیں بول سکتی"۔

"میں کبھی جھوٹ نہیں بول سکتی"۔

جگدیش چندر نے جھک کر الکا کے ہونٹوں کو چھونا چاہا لیکن الکا نے انکار سے سر ہلاتے ہوئے کہا" ابھی نہیں۔ شادی کے بعد"۔

"صبح عدالت میں لکھ کر دے دوں"

"دے دیں"

پورا ایک مہینہ انتظار کرنا پڑے گا"۔

"آپ کی چھٹی کا کیا ہو گا؟"

"میں اور چھٹی لے لوں گا۔"

جگدیش چندر جب الکا کے کمرے سے جانے لگا تو الکا نے جلدی سے دہلیز پر جاکر اُسے پوچھا۔ "ایک آخری خط لکھنے کی اجازت ہے؟ صرف یہ لکھوں گی کہ آج سے ایک مہینے بعد میری شادی ہو جائے گی۔"

"ہاں" جگدیش چندر نے ہنستے ہوئے کہا اور الکا کے کمرے سے باہر نکل گیا۔

الکا رات کے وقت جب کمار کو خط لکھنے لگی تو اسے سمجھ نہیں آرہی تھی کہ دراصل وہ یہ خط کس کے نام لکھنے لگی تھی۔ ہاتھ میں قلم لے کر جب اُس نے کاغذ کی طرف دیکھا تو اسے محسوس ہوا جیسے وہ کھائیوں اور پتھروں کو خط لکھنے لگی تھی۔

۱۳

"چیتو چاچا شہرے جے گیا تاں شہرے دا ای ہوئی ریا" ہریا نے اُٹھتے بیٹھتے کئی بار چیتو کا ذکر کیا۔ کمار نے بارہا اُسے ڈانٹ کر کہنا چاہا کہ اس نے یہ کیا چیتو چاچا کی رٹ لگا رکھی ہے۔ آخر وہ کبھی کبھار ہی تو شہر گیا ہے۔ چار دن شہر کی رونق دیکھے گا۔ اور پھر خود ہی لوٹ آئے گا۔ لیکن کمار کو احساس ہوا کہ روز جب گاڑی آنے کا وقت ہوتا تھا تو وہ گھومتے گھومتے بڑی سڑک پر چلا جاتا تھا۔ پچھلے کئی دنوں سے وہ بیجناتھ جانے والی سڑک کی طرف نہیں گیا تھا ہمیشہ بیرولہ کی اترائی اتر جاتا تھا جیسے وہ آدھا راستہ طے کر کے اسٹیشن کی طرف سے آنے والے چیتو چاچا کو لینے جا رہا ہو — اور اسی لئے

اس نے ہریا سے کچھ نہیں کہا ۔

"میں اس طرح چیتو چاچا کا کیوں انتظار کر رہا ہوں جیسے کوئی قاصد کا انتظار کرتا ہے .... " کمار نے ہریا کو ڈانٹنے کے بجائے اپنے آپ کو ڈانٹا۔ وہ خود روہانسا سا ہو گیا۔ پھر اس نے خود ہی اپنے آپ کو ڈھارس بندھائی۔ میں اس لئے چیتو کا انتظار کر رہا ہوں کہ وہ آکر مجھے الکا کا پورا احوال بتلائے کہ وہاں جاکر اس نے کوئی ضد تو نہیں کی اور پتاجی کا کہا مانتے ہوئے شادی کی بات پکی کر لی ۔

ایک دن ناتھی ہریا کو ڈھونڈتی ہوئی کمار کے گھر کے آنگن میں سے باہر آئی ۔ کمار اس وقت باہر گھاس پر بیٹھا تھا۔ ناتھی کو اُس نے پہلے بھی دو بار ہریا کے پاس آکر شہر سے آنے والی کسی خبر کے بارے میں پوچھتے دیکھا تھا۔ لیکن وہ ہمیشہ ہریا سے پوچھ کر لوٹ جاتی تھی۔ آج وہ کمار کے پاس آکر کھڑی ہو گئی ۔

"بابوجی"

"ہاں، ناتھی۔"

"میری جان ناسولاں ٹنگوئی گئی ہے[1]"

"کیوں کیا ہوا؟"

"چیتو چاچا گھرے جو بھلی گیا ہے[2]"

"وہ کہاں جائیگا ناتھی آجکل میں ہی لوٹ آئے گا۔ تمہاری ماں کو اُس پر بھروسہ نہیں جو اتنی بے چین ہو گئی ہے ۔

---

[1] میری جان تو کانٹوں پر لٹک گئی ہے۔ [2] چیتو چاچا جو گھر کو بھول گیا ۔

"کھڈاں دے پار تیتر بولدے تاں اماں ڈردی ڈری جاندی"[1]

کمار ہنسنے لگا۔ وہ جانتا تھا کہ ناتھی کا شوہر کئی برس سے اُسے چھوڑ کر پردیس گیا ہوا تھا۔ ناتھی بھرپور جوانی میں تھی لیکن ہنس کھیل کر وہ اپنے دن گزار رہی تھی اور ایک جبکہ چیتو چاچا صرف دو چار دن کے لئے پردیس گیا تھا تو اس کی بوڑھی بیوی اتنی پریشان اور اداس ہوگئی تھی کہ دن میں پچاسوں بار وہ ناتھی کو اس کی خبر پوچھنے کے لئے بھیج رہی تھی ــــ کمار نے ہنس کر ناتھی سے کہا۔

"اگر اماں کی طرح تم بھی اپنا دل چھوڑ بیٹھو تو پھر کیا ہوگا؟"

"میں نے تو بابو جی اپنے دل کو کھائیوں کے پتھروں جیسا کر لیا ہے۔"

"پھر تم اماں کو سمجھاتی کیوں نہیں؟"

"اس کی ہڈیوں کا تو جیسے چورا ہو رہا ہے۔ مجھے کیا معلوم اس کے دل میں کیا ہے؟"

"اسے کس بات کا اندیشہ ہے؟"

"بھگوان ہی جانتا ہے ــــ مجھے تو بس اُٹھتے بیٹھتے گالیاں دیتی ہے۔"

"لیکن اس میں تمہارا کیا قصور ہے؟"

"میں اسے اسٹیشن پر جو چھوڑ آئی ــــ اماں ہر وقت گالیاں دے دے کر کہتی ہے کہ وہ دغاباز شہر گیا ہے تو اب شہر ہی کا ہو کر رہ جائے گا۔"

ناتھی جانے لگی تو کمار کے منھ سے ایک آہ سی نکل گئی۔ ایک طرف چیتو کی بیوی ہے

---

[1] کھائیوں کے اس پار جب تیتر بولتے ہیں تو ماں سہم سہم جاتی ہے

جو یہ سوچتی ہے کہ جیتو شہر جاکر شہر ہی کا کیوں ہو کر رہ گیا ہے اور دوسری طرف میں ہنوں جو یہ سوچ رہا ہوں کہ الکا اگر شہر گئی ہے تو خدا کرے وہ وہیں کی ہو کر رہ جائے۔"

"آگ لگے شہر کے رہن سہن کو۔ ۔ ۔ ۔ " ناتھی نے جاتے جاتے کہا۔

"تمہیں شہروں پہ بہت غصہ آرہا ہے۔" کمار پھر ہنسنے لگا۔

"آپ کو شاید پتہ نہیں بابوجی یہ ہنسی کہاں سے آتی ہے۔" ناتھی جاتے جاتے ٹھٹھک گئی اور کمار کی طرف دیکھنے لگی۔

"آج تمہیں کیا ہوا ہے ناتھی! تمہیں میری ہنسی پر بھی غصہ آرہا ہے۔"

"آپ نے الکا بی جی کو مجبور کر کے شہر بھیج دیا ہے۔ مجھے بہت برا لگا ہے میری آنکھیں انھیں کو ڈھونڈتی پھرتی ہیں۔"

کمار نے ایک طرح سے سہم کر ناتھی کے چہرے کی طرف دیکھا۔ وہ سوچنے لگا کہ الکا نے ناتھی کو کچھ نہیں بتایا ہوگا لیکن یہ الھڑ سی ناتھی خود ہی اس کی ہمراز بن گئی ہوگی اور اس نے اپنے آپ سمجھ لیا ہوگا کہ الکا کمار کے مجبور کرنے پر ہی شہر گئی تھی

"یہ گھڑا تو میرے سر کا بیری ہے بابوجی۔ پانی بھرنے کے لئے جاتی ہوں تو راستہ بھر بی بی جی کو ہی دیکھتی رہتی ہوں۔" ناتھی نے کہا اور بڑی اداسی کے ساتھ چلی گئی۔

کمار کی آنکھیں جھک گئیں۔ ناتھی کی بات اس کے دل کو کچوکے دینے لگی اور اسے محسوس ہوا کہ وہ بھی ناتھی کی طرح اپنے سر پہ اپنے آپ کا بوجھ اٹھا کر چل رہا تھا اور یہ بوجھ کسی دن اس کے سر کا بیری ہو جائے گا۔ وہ اسے اٹھائے اٹھائے پھرے گا اور جگہ جگہ

الکا کو ڈھونڈتا پھرے گا.....

"بابوجی، بابوجی ــ" ہریا پگڈنڈی کے دوسرے سرے سے دوڑتا چلا آرہا تھا اور کہہ رہا تھا۔

"چیتو چاچا آگیا ہے..... ہاتھ میں بہت بھاری ٹرنک لئے آرہا ہے" ہریا نے کمار کے پاس آکر بتایا ــ وہ ہانپ رہا تھا۔

کمار کو معلوم تھا کہ چیتو خالی ہاتھ گیا تھا۔ ٹرنک کی بات سن کر اُسے لگا جیسے الکا بھی چیتو کے ساتھ لوٹ آئی ہو۔

کمار کا دل کپکپا اٹھا اور یہ کپکپاہٹ اس کے پورے جسم میں سے گزرتی ہوئی اس کے پیروں میں اُتر گئی۔ پگڈنڈی پر چڑھ کر الکا کو دیکھنے کے لئے اُس کے پاؤں آگے بڑھے لیکن دوسرے ہی لمحے وہ اپنے پاؤں کو جکڑ کر رُک گیا ــ جیسے اس نے خود ہی اپنے پیروں میں ایک زنجیر ڈال لی ہو۔

مجھے اسی بات کا اندیشہ تھا... کمار کو محسوس ہوا کہ اُسے الکا پر غصّہ آرہا تھا لیکن غصّہ سے دیکھنے کے بجائے وہ ایک طرح کے اشتیاق سے پگڈنڈی کی طرف دیکھنے لگا۔ دیکھے جارہا تھا اور سوچے جارہا تھا، اس نے ضرور من مانی کی ہوگی.... اب اگر میں اس کے آتے ہی اسے کہہ دوں کہ وہ الٹے پاؤں لوٹ جائے تو.... وہ مجھے چین سے جینے کیوں نہیں دیتی؟"

"نمستے بابوجی" ــ چیتو چاچا نے دس گز کی دوری سے کہا اور کندھے پر اٹھائے

ہوئی چیزوں کو وہیں اتار کر کمار کے پاس آگیا۔

کمار نے ایک بار چیتو کی طرف دیکھا۔ ایک بار خالی پگڈنڈی کی طرف اور پھر آہستہ سے بولا "راضی خوشی تو رہے ہو چیتو؟"

"بہت خوش بابو جی" چیتو نے جھک کر کمار کے پیر چھوئے۔

"بہت دن لگا دیئے، شہر میں زیادہ جی لگ گیا تھا۔ اور کمار کو احساس ہوا کہ چیتو کے ساتھ باتیں کرتے کرتے اب بھی وہ خالی پگڈنڈی کی طرف دیکھ رہا تھا۔

"شہر شہر ہی ہے بابو جی۔ بڑا سکھ ملا وہاں۔ کھانے کے لئے بہت کچھ.... دیکھنے کے لئے بہت کچھ.... وہاں بڑے بڑے مکان.... چیتو چاچا بولے جا رہا تھا۔

"اچھا اچھا.... اب جلدی سے گھر جاؤ — تمہاری بیوی تمہارے لئے پاگل ہو رہی ہے —" کمار نے چیتو کی بات کاٹتے ہوئے کہا۔ اس نے چیتو کی بات کو اس لئے نہیں کاٹا تھا کہ وہ جلدی سے اپنے گھر چلا جائے بلکہ اس لئے کہ شہر کی بات کٹ جانے سے شاید وہ الکا کی بات کرے گا۔

"کیا گالیاں دے رہی تھی؟" چیتو نے اپنے پیر سے جوتی اُتار کر اس میں سے مٹی جھاڑتے ہوئے پوچھا۔

"کون؟"

"نا تھی کی ماں!"

"وہ تائی کو گالیاں دے رہی ہے کہ اس نے تمہیں شہر کیوں جانے دیا۔ وہ تمہیں اسٹیشن سے واپس کیوں نہیں لے آئی۔"

"اُس کا بس چلے بابو جی تو وہ میرے گھٹنے ہی توڑ ڈالے۔" چیتو نے کہا اور ہنسنے لگا۔ اس کی ہنسی میں اِتنا گلہ نہیں تھا جتنا اس بات کا فخر تھا کہ اس کے پاس ایسی عورت تھی جو اسے پل بھر کے لئے بھی آنکھوں سے اوجھل نہیں ہونے دینا چاہتی تھی۔

کمار نے چیتو کی لائی ہوئی گٹھڑیوں اور ٹرنک کی طرف دیکھا "تم تو شہر سے بہت سی چیزیں خرید لائے.....؟

کیا بتاؤں بابو جی' الکا بی بی نے مجھے بہت سی بخشیش دی ہے!"

الکا کا نام سن کر کمار کو احساس ہوا کہ یہی نام سننے کے لئے اُس کے کان ترس رہے تھے۔

"وہ ٹھیک ٹھاک تو تھی؟" کمار کی زبان نے اپنے بس سے باہر ہو کر یہ بات پوچھ لی۔

"آپ کے لئے ایک کاغذ دیا ہے۔" چیتو نے کہا اور ٹرنک کو کھولنے لگا۔ اگر اس طرح اس کی خبر کے لئے ترستا تھا تو اسے بھیجا ہی کیوں تھا؟ کمار نے اپنے آپ کو طعنہ دیا۔

دیکھو بابو جی الکتنی چوڑیاں دی ہیں۔" چیتو نے ٹرنک کھول کر کانچ کے بہت سے گجرے دکھائے اور پھر ایک ریشمی چادر دکھاتے ہوئے بولا "یہ مجھے بڑے بابو جی نے دی تھی --- پتا جی نے"۔

ٹرنک میں ایک گرم کوٹ بھی پڑا تھا۔ چیتو نے بڑی اُمنگ سے اس کوٹ کو نکالا اور اسکے ریشمی استر کو اپنی ہتھیلی سے بار بار سہلاتے ہوئے بولا "وہاں ایک صاحب آیا تھا اس نے مجھے یہ کوٹ...." چیتو کی بات اس کے حلق میں ہی رہ گئی۔ اسے لگا کہ اس بات پر کمار نے ماتھے پر تیوری ڈال کر اس کی طرف دیکھا تھا۔ اس نے سوچا کہ بابوجی شاید اس بات سے خفا ہو گئے ہیں کہ اس نے یہ چیزیں شاید مانگ کر لی تھیں۔

"میں نے کچھ نہیں مانگا تھا بابوجی! صاحب نے مجھے خود ہی دیا تھا...." چیتو نے قدرے سہم کر کہا اور جلدی سے ٹرنک کے خانے میں سے ایک لفافہ نکال کر کمار کو تھما دیا۔

کمار لفافہ لے کر چپ چاپ اپنے کمرے میں چلا گیا اور اندر سے دروازہ بند کر لیا۔

"آپ نے میرے بہت سے نام رکھے تھے۔ مجھے خود بھی اپنے نئے نئے نام رکھنے کی عادت سی ہو گئی ہے۔ آج مہینے کی آٹھویں تاریخ ہے۔ اگلے مہینے کی اسی تاریخ کو میں اپنا ایک اور نام رکھوں گی ــــ مسز جگدیش چندر۔ یہ خبر سب کو سنا دیجئے گا کھائیوں کے پتھروں کو بھی...." یہ خط پڑھ کر کمار کو زندگی میں پہلی بار محسوس ہوا کہ اس کا سینہ چیر کر اس کا دل نکل جائیگا۔

۱۴

جگدیش چندر اپنے گاؤں "چال" میں اپنی ماں کے پاس چلا گیا تھا۔ پورے بیس دن وہاں رہنے کے بعد کچھ چیزیں خریدنے کے لئے پھر امرتسر آگیا تھا۔ رات کو الکا کے تایاجی

اُسے اپنے یہاں لے آئے تھے۔ الکا بڑے احترام کے ساتھ اس سے ملی تھی اور اس کے ساتھ کافی دیر تک بنگلے کے باغیچے میں بیٹھی رہی تھی۔ جگدیش چندر کو صرف اتنا محسوس ہوا تھا کہ الکا پہلے سے کچھ دبلی ہوگئی تھی۔

آدھی رات کا وقت ہوگا۔ جگدیش چندر کو سونے میں ایسا لگا جیسے وہ کسی پہاڑ کی پگڈنڈی پر کھڑا ہے اور سامنے کے بلند و بالا پہاڑ پر گری ہوئی برف کو دیکھ رہا ہے اور قریب کے کسی موڑ پر سے کسی پہاڑن کے گانے کی آواز آرہی ہے۔ کتنی ہی دیر تک وہ پہاڑی سُر اس کے کانوں میں گونجتے رہے اور پھر سروں کے ساتھ ساتھ گیت بھی سنائی دینے لگا۔

دُکھاں والا ڈھولڑو توں میرے کنے دی دتے
تا ہوئی جا گا لٹے میرے ماہیاں
او پکھلیا ماہیاں!

آواز بڑی دلکش تھی ۔۔ جگدیش چندر نیم بیداری کے عالم میں تھا۔ اسے کتنی ہی دیر تک پتہ نہ چل سکا کہ وہ کسی پہاڑ پر نہیں تھا بلکہ امرتسر نامی ایک شہر کے ایک کمرے میں سویا ہوا تھا۔

ایک بار گیت کے بول ٹھٹھک گئے ۔۔۔ جیسے گانے والی کی آواز آنسوؤں سے بھر گئی ہو ۔۔ جگدیش چندر، بوکھلا کر اٹھ بیٹھا۔ آواز باہر کے باغیچے میں سے آرہی تھی باغیچے میں رات کا اندھیرا زیادہ گہرا نہیں تھا۔ کافی دیر تک وہ کھڑکی میں سے باہر کی طرف دیکھتا رہا۔

لیکن جس طرف سے آواز آرہی تھی اس طرف ایک بڑے درخت کا گھنا سایہ تھا۔ درخت کے سائے کی طرف ٹکٹکی لگا کر دیکھنے سے جب اس کی آنکھیں اس سائے سے مانوس ہو گئیں تو اس نے وہاں الکا کو اُس کی پشت سے پہچان لیا۔

"الکا!" جگدیش چندر نے باہر باغیچے میں جا کر کہا اور درخت کے تنے سے ٹیک لگا کر کھڑی ہوئی الکا کے پاس جا کھڑا ہوا۔

الکا خاموش ہو گئی۔

"تم بہت اداس ہو!"

الکا نے گردن جھکا لی۔

"مجھے ایسا محسوس ہوتا ہے جیسے اس ساری اداسی کی وجہ میں ہوں۔"

"نہیں، آپ نہیں۔"

"لیکن میری وجہ سے تمہاری مجبوری اور بڑھ جائے گی۔"

"اس سے زیادہ اور کیا بڑھے گی۔۔۔"

"لیکن الکا۔۔۔"

"جی!"

"کیسی شادی ہے یہ۔۔۔؟"

"میں خود نہیں جانتی۔"

"میں کئی بار بیٹھے بیٹھے سوچنے لگتا ہوں ۔۔۔ بازار بھی جاتا ہوں۔ چیزیں بھی خریدتا

ہوں لیکن میرے دل میں خوشی نام کی کوئی چیز نظر نہیں آتی۔ . . . "

الکا کو اپنے آپ پر کبھی ترس نہیں آیا تھا لیکن جگدیش کی اس حالت پر اُسے ترس آ گیا اور اس نے آگے بڑھ کر جگدیش کا ہاتھ تھام لیا" آپ کیوں بلاوجہ پریشان ہو رہے ہیں؟ انکار کر دیجئے اس شادی سے۔"

"ایک دن میں نے ایسا ہی سوچا تھا اور اس رات تمہیں ایک خط بھی لکھا تھا لیکن دوسرے دن میں سوچ میں پڑ گیا ـــ اور لفافہ میں بند کیا ہوا خط نکال کر پھاڑ ڈالا۔"

"آج یہی سمجھ لیجئے کہ وہ خط مجھے مل گیا ہے۔"

"تمہارے پتاجی کیا کہیں گے ـــ سوچیں گے' یہ کیسا آدمی ہے ـــ صرف دس دن باقی ہیں . . . . "

"پتاجی سے میں خود کہہ دوں گی۔"

"لیکن الکا . . . . وہ کس قسم کا آدمی ہے جو تم سے پیار نہیں کر سکا . . . . تم اسے بھول نہیں سکتیں . . . . ؟ میرا اب بھی یہی خیال ہے کہ وقت گزرنے کے ساتھ ساتھ تم اسے بھول جاؤ گی . . . . "

الکا نے پہلی باتوں کا کوئی جواب نہیں دیا۔ صرف آخری بات کا جواب دیتے ہوئے کہا" کیا معلوم یہ وقت عمر جتنا لمبا ہو جائے ـــ میں کب تک اس وقت کی قیمت چکاتی رہوں گی؟"

"مجھے اداس رہنے کی بالکل عادت نہیں ہے لیکن میں کئی دن سے بہت اداس

ہوں !"

"اسی لئے میں کہتی ہوں کہ آپ یہ قیمت کیوں دے رہے ہیں ؟"

"میں بھی یہی سوچتا ہوں کہ میں کیا کر رہا ہوں ... تم نے مجھے پہلے دن ہی سب کچھ بتا دیا تھا لیکن اس دن معلوم نہیں مجھے کیا ہوا تھا ...."

"میں بھی اس دن سوچ رہی تھی کہ آپ نہ جانے کیوں یہ شادی کرنا چاہتے ہیں"

"تم مجھے بہت خوبصورت لگی تھیں ..... لیکن اب میں سوچتا ہوں کہ میں تمہاری اس خوبصورتی کو کیا کروں گا ....." جگدیش کی اندھیرے میں بھٹکتی ہوئی آنکھوں نے الکا کے چہرے کو ٹٹولا۔

"آپ ٹھیک سوچ رہے ہیں "

"میرا خیال ہے کہ میں باقی کی چھٹیاں کینسل کروا کر واپس ملازمت پر چلا جاؤں گا لیکن میرے جانے کے بعد تم کیا سوچو گی ؟"

"کیوں — ؟ یہی سوچوں گی کہ بہت اچھے آدمی تھے ... خیر اب زیادہ سوچوں میں مت پڑیئے ۔ آج آپ کی نیند بھی خراب ہو گئی ہے ۔"

الکا جگدیش کو ساتھ لے کر بنگلے کی طرف لوٹ پڑی اور جگدیش کو اس کے کمرے تک پہنچا کر اپنے کمرے میں چلی گئی ۔

الکا جن دنوں یہاں ہوا کرتی تھی ، صبح کی چائے خود بنایا کرتی تھی ۔ اس دن صبح ہونے پر اس نے چائے بنائی ۔ ایک پیالہ اپنے پتا جی کے کمرے میں رکھ آئی اور

دوسرا جگدیش کے کمرے میں ۔ جگدیش کے کمرے میں سے جب وہ واپس جا رہی تھی تو جگدیش نے آواز دے کر اُسے اپنے پاس بُلایا۔

الکا پلنگ کے پاس جا کھڑی ہوئی ۔ جگدیش نے پلنگ سے اٹھ کر ایک سگریٹ سلگایا اور پلنگ کے پائے پر بیٹھتے ہوئے بولا "رات مجھے بالکل نیند نہیں آئی"۔

"آپ اتنا سوچتے کیوں ہیں ؟ جب آپ واپس جائیں گے تو ایک دو دن میں سب ٹھیک ہو جائے گا"۔

"اس دن تم نے شادی کی بات کی تھی"۔

"اچھا ہی ہوا کہ اس کی ضرورت نہیں پڑی"۔

"طلاق شادی کے بعد ہوتی ہے لیکن مجھے ایسا محسوس ہوتا ہے جیسے شادی سے پہلے ہی طلاق ہو گئی ہو. . . ."

الکا جانتی تھی کہ آدمی اپنے دل کے درد کو کس طرح برداشت کرتا ہے۔ جگدیش کی زبان سے ایسی جذباتی باتیں سن کر وہ سہم گئی کہ کہیں اس راہ چلتے آدمی کو اس درد کی لاگ نہ لگ جائے۔

"میں کبھی ایسی جذباتی باتیں نہیں کیا کرتا. . . لیکن تم ٹھیک کہتی ہو' واپس کام پر لوٹ جاؤں گا تو ایک دو دن میں ٹھیک ہو جاؤں گا"۔

الکا جانے لگی تو جگدیش نے پھر اسے روک لیا اور بولا "تم میرے دل کی حالت سمجھتی ہو؟"

"ہاں"

"میں جب تمہاری طرف دیکھتا ہوں تو تمہارے چہرے کے پیچھے مجھے ایک اور چہرہ نظر آتا ہے۔ جس آدمی سے تم محبت کرتی ہو، مجھے اس کا چہرہ بھی نظر آتا ہے شاید میں جب بھی تمہاری طرف دیکھوں گا۔ . . . . مجھے اسی طرح دکھائی دے گا۔ . . اور اسی لئے ہمیں آپس میں شادی نہیں کرنی چاہیئے۔ کیوں نہیں کرنی چاہیئے ؟"

"نہیں کرنی چاہیئے۔"

"میرا یہاں جی گھبراتا ہے۔ ابھی تیار ہو کر چلا جاؤں گا۔"

"اچھا"

"میں پتاجی سے کچھ نہیں کہوں گا تم خود ہی کچھ کہہ دینا۔

"اچھا"

الکا جب اپنے کمرے میں لوٹی تو اس کی چائے ٹھنڈی ہو چکی تھی۔ اس نے چائے کا ایک اور گرم پیالہ بنایا اور جب وہ کھڑکی میں کھڑی چائے پی رہی تھی تو اس نے جگدیش چندر کو بنگلے کے پھاٹک سے باہر نکلتے دیکھا۔ الکا کافی دیر تک جگدیش چندر کی پشت کو دیکھتی رہی جب وہ نظروں سے اوجھل ہو گیا تو اس کی پشت کے بارے میں سوچتی رہی اسے محسوس ہوا جیسے وہ اس پشت سے ایک طرح کی معافی مانگ رہی تھی ۔

۱۵

کمار کے کمرے میں لٹکا ہوا کیلنڈر کئی دنوں سے کملا کی طرف دیکھ رہا تھا اور کمار

اس کی طرف۔ کیلنڈر کی طرف دیکھتے دیکھتے کمار کبھی یہ سوچتا کہ آنے والی آٹھویں تاریخ کیوں اتنی جلد قریب آ رہی تھی اور اس کا جی چاہتا تھا کہ وہ تاریخ کہیں راستے میں ہی رک جائے۔ اور کبھی وہ یہ سوچتا کہ آنے والی آٹھویں تاریخ اتنی دیر سے کیوں آ رہی تھی اور اس کا جی چاہتا تھا کہ وہ تاریخ جلدی سے آ کر گذر جائے۔

کیلنڈر بھی اس کی طرف دیکھتا رہتا اور دیکھتے دیکھتے جیسے اس کا بھی جی چاہتا کہ وہ اس کمرے سے نکل کر کسی ایسی جگہ چلا جائے جہاں کمار کو کبھی بھی کسی تاریخ کا پتہ نہ چلے۔

آٹھ کا ہندسہ نہ جانے کمار کے لئے کیا صورت اختیار کر گیا تھا۔ ایک دن جب ہریا نے اس سے آٹھ آنے مانگے تو وہ کافی دیر تک ہریا کے چہرے کی طرف دیکھتا رہا۔

"کیا آٹھ بج گئے بابو جی؟" ایک صبح جب لکڑیوں کا گٹھا لے جاتے ہوئے ایک پہاڑی لڑکے نے کمار سے پوچھا تو کمار کا پاؤں ٹھوکر کھا کر ایک پتھر سے جا ٹکرایا۔

کمار کئی دن سے ایک تصویر بنا رہا تھا۔ تصویر میں طلوع ہوتا ہوا چاند اپنے پورے جلال میں تھا۔ نیچے پانی سے بھرا ہوا ایک تالاب تھا اور اس تالاب میں پڑتا ہوا چاند کا عکس بھی چاند ہی کی طرح اپنے پورے جلال میں تھا۔ تالاب کے کنارے پر اونچے اونچے پیڑ تھے جن کی کالی پرچھائیاں پانی میں پڑ رہی تھیں۔ یہ تصویر تقریباً آٹھ فٹ لمبی تھی۔ جب تصویر مکمل ہو گئی اور کمار اسے کمرے کی سب سے بڑی دیوار پر ٹانگ کر اور کچھ پیچھے ہٹ کر دیکھنے لگا تو اسے محسوس ہوا جیسے تصویر پر بہت بڑی شکل میں آٹھ کا ہندسہ لکھا ہوا تھا۔ آسمان کے چاند کا گول دائرہ اور پانی میں اس کے عکس کا گول

دائرہ دونوں مل کر آٹھ کا ہندسہ بن گئے تھے۔ کمار نے کئی بار اپنے ذہن کو جھٹک کر یہ دیکھنا چاہا کہ تصویر میں صرف ایک چاند تھا اور ایک اس کی پرچھائیں۔ لیکن اس کی آنکھیں ہر بار اس حقیقت سے منکر ہو جاتیں اور اسے صرف آٹھ ہی کا ہندسہ نظر آتا۔ تصویر کی طرف دیکھتے دیکھتے کمار کو نظر آیا کہ تصویر میں پیڑ بھی آٹھ ہی تھے۔ چار تالاب کے کنارے اُگے ہوئے تھے اور چار اُن کے پانی میں پڑے ہوئے سائے۔ کمار نے گھبرا کر وہ تصویر دیوار پر سے اتار لی اور اس کا رخ دیوار کی طرف پلٹ کر زمین پر رکھ دیا۔

نیا کینوس لے کر کمار نے ایک تصویر بنانی شروع کر دی۔ اس تصویر میں ایک خاص قسم کی تاریکی کا عالم تھا اور اس تاریکی میں ایک مسافر اپنے راستے پر چلا جا رہا تھا۔ افق پر صرف ایک پتلی سی لکیر اس مسافر کو نظر آ رہی تھی۔ مسافر کا پورا جسم تاریکی میں لپٹا ہوا تھا لیکن اس کے پاؤں روشنی میں بھیگے ہوئے تھے۔ کمار نے اس مسافر کے پیر بڑے اجلے رنگوں میں بنائے۔ جتنے قدم وہ مسافر چل چکا تھا ان قدموں کے نشان بھی کمار نے اجلے ہی بنائے۔ یہ تصویر مکمل کر کے جب کمار نے دیوار پر ٹانگی اور حسب معمول ذرا پیچھے ہٹ کر تصویر کی طرف دیکھا تو اسے لگا جیسے تصویر کا مسافر چل رہا تھا، اپنے پیروں پر کھڑے کا کھڑا رہ گیا تھا۔ پھر کمار نے ان قدموں کے چمکیلے نشانوں کی طرف دیکھا جو مسافر اپنے پیچھے چھوڑ آیا تھا۔ پورے سات قدم تھے۔ آٹھویں قدم پر وہ مسافر رک گیا تھا کانپتے ہاتھوں سے کمار نے اس تصویر کو بھی دیوار پر سے اتار لیا اور نیا کینوس

لے کر ایک اور تصویر بنانے لگا۔

اس نئی تصویر میں کمار نے اس بات کا خاص خیال رکھا کہ وہ کسی طرح بھی پیڑوں اور قدموں کی طرح کی کوئی ایسی چیز نہیں بنائے گا جسے گنا جا سکتا ہو۔ اس تصویر میں اس نے ایک لڑکی اس انداز سے بنائی جس کا تعلق ایک الگ دنیا اور ایک الگ قسم کی زندگی سے تھا۔ لڑکی کے اس طرف سنگ مرمر کی جالی کی ایک بہت اونچی آڑ بنا دی۔ جالی کی یہ آڑ ایک دنیا کو اور ایک زندگی کو الگ الگ کر رہی تھی۔ کمار نے تصویر مکمل کر کے جب ایک طرح کے اطمینان کے ساتھ اسے دیوار پر ٹانگا اور خود دروازے کی دہلیز پر کھڑے ہو کر دور سے اسے دیکھا تو وہ ایک دم ششدر رہ گیا۔ سنگ مرمر کی جالی کے سارے سوراخ ایک دوسرے سے مل کر اسی طرح کی شکل اختیار کرتے چلے گئے تھے، جیسے پورے کینوس پر سینکڑوں 'آٹھ' لکھے ہوں۔ آٹھوں کی ایک لمبی قطار تھی۔ قطار کے نیچے ایک اور قطار۔ اس کے نیچے ایک اور قطار۔ . . . . اور اس کے نیچے ایک اور قطار۔ . . . .

کمار نے سر جھکا کر دیوار کی طرف سے منہ پھیر لیا اس طرح جیسے اس نے اپنے آپ سے منہ پھیر لیا ہو۔

ہریا اکثر بیٹھے بیٹھے اپنے دیس کا ایک گیت گایا کرتا تھا "باراں بج گئے ہو' راجے دیاں گھڑیاں باراں بج گئے ہو" [1]

---

[1] بارہ بج گئے ہیں۔ راجا کی گھڑی میں بارہ بج گئے ہیں۔

کمار نے کئی بار یہ گیت سنا تھا۔ اسے صرف ہریا ہی نہیں گڈریئے بھی گایا کرتے تھے۔ کوئی کوئی تو اس گیت کی دھن بانسری پر بھی بجایا کرتا تھا لیکن کمار نے کبھی اس گیت کی طرف زیادہ دھیان نہیں دیا تھا۔ مگر آج ہریا کی زبان سے یہ گیت سن کر اسے محسوس ہوا کہ اس گیت کے پیچھے ضرور کوئی پُر درد کہانی تھی۔ اس وادی میں کبھی اس طرح کے بارہ بجے ہوں گے کہ ساری وادی لرز اٹھی ہوگی۔ اس واقعہ کو نہ جانے کتنے برس گذر چکے تھے۔ شاید صدیاں گزر گئی ہوں۔ لیکن بارہ بجے وقوع پذیر ہونے والا وہ واقعہ آج بھی اس وادی کے لوگوں کو یاد تھا جیسے وہ آج بھی جس وقت گھڑی کی طرف دیکھتے تھے تو انہیں بارہ بجے سے خوف آنے لگتا تھا۔

"ہریا"

"جی بابو جی!"

"یہ تم کیا گا رہے ہو ـــ باراں بجی گئے؟"

"یہ ہمارے دیس کا گیت ہے۔"

"بارہ بجے کیا ہوا تھا؟"

"بارہ بجے موہن کو پھانسی ملنی تھی۔"

"یہ موہن کون تھا؟"

"پھولوں سے بھرے باغیچے میں راجے کا مالی تھا۔"

"راجہ نے اسے پھانسی کا حکم کیوں دیا تھا؟"

"وہ راجہ کی رانی کو پھولوں کے گجرے دیا کرتا تھا۔"

"اور کیا کرتا تھا؟"

"پانچ رنگی بانسری بجاتا تھا۔"

"اسی لئے راجہ نے اسے پھانسی پر لٹکا دیا۔"

"نہیں بابوجی، اس کے دھرم کے کارن پھانسی کا تختہ ٹوٹ گیا۔"

"اوہ۔ ۔ ۔ ۔"

ہریا سے یہ کہانی سننے کے بعد جب کمار سامنے کے پیڑوں کے نیچے چلا گیا تو وہ سوچ رہا تھا، موہن نے کسی رانی کے روپ کی پوجا کی ہوگی۔ رانی کے سنگار کے لئے اس نے پھولوں کے گجرے پروئے ہونگے۔ راجہ کو ان پھولوں میں سے محبت کی خوشبو آئی ہوگی۔ اور راجہ نے اسکے لئے پھانسی کا حکم سنا دیا۔ محبت کرنا موہن کا جرم تھا یہی جرم اس کا دھرم بن گیا۔ اور اس کے دھرم کے بوجھ سے پھانسی کا تختہ ٹوٹ گیا۔ میں اس سے بالکل الٹا کھیل کھیل رہا ہوں۔ ۔ ۔ ۔ میں نے محبت کو دھرم نہیں بنایا شاید اسی لئے میرے بوجھ سے کچھ نہیں ہوتا میرے سارے دن اور میری ساری راتیں کچھ اس طرح کی ہوگئی ہیں جیسے میں پھانسی کے تختے پر کھڑا ہوں۔ ۔ ۔ ۔"

گھڑی کی سوئی نے جس طرح آہستہ آہستہ چلتے ہوئے کبھی وہ بارہ بجا دیئے تھے، جب موہن کو پھانسی کے تختے پر چڑھنا تھا، اسی طرح وقت کی سوئی آہستہ آہستہ دنوں اور تاریخوں کو پیچھے چھوڑتی ہوئی بالآخر آٹھ تاریخ پر پہنچ گئی۔

کمار کو ایک بات یاد آئی کئی برس پہلے جب وہ بمبئی میں پڑھتا تھا تو ایک بار سمندر میں نہانے کے لئے گیا اس دن اس نے پہلی بار سمندر میں پیر ڈالا تھا۔ کافی دیر تک وہ ہلکی ہلکی لہروں کے تھپیڑے اپنی پیٹھ پر محسوس کرتا رہا کبھی اس کے پاؤں اکھڑ جاتے تھے اور کبھی سمندر کا کھارا پانی اس کے منھ اور ناک میں چلا جاتا تھا۔

لیکن وہ کتنی ہی دیر تک چھوٹی چھوٹی لہروں میں کھڑا رہا۔ پھر نہاتے نہاتے وہ پانی میں اور آگے چلا گیا تھا اور پھر جھپٹ اتنی اونچی ایک لہر اس کے اوپر آ چڑھی تھی۔ وہ گھبرا گیا۔ اسے لگا تھا کہ وہ لہر اسے اپنے ساتھ بہا لے جائے گی۔ ایک اور آدمی اس سے کچھ فاصلے پر نہا رہا تھا اُس نے پاس آکر کمار کی بانہہ پکڑ لی۔ اور اسے اوپر اچھال کر لہر کو پاؤں کے نیچے سے نکال دیا تھا۔ اس نے کمار کو بتایا تھا کہ اس طرح کی بڑی لہریں آنے پر یا تو اپنے پیر اٹھا کر لہر پر سوار ہو جانا چاہیئے۔ یا پھر اپنا ناک منھ بند کر کے لہر کو اپنے سر پر سے گذر جانے دینا چاہیئے ۔۔ اور کمار نے سوچا کہ اگر وہ آٹھویں تاریخ کی اس اونچی لہر پر سوار ہو کر پار نہیں ہو سکتا تو اسے اپنا ناک منھ بند کر لینا چاہیے اور جیسے تیسے اس لہر کو اپنے سر پر سے گذار دینا چاہیئے۔

کمار اپنے چک کی پگڈنڈی پر چلتے چلتے بڑی سڑک پر آ گیا۔ اس سڑک پر سے اکثر سیلانیوں کی موٹریں گذرا کرتی تھیں اور کئی بار سیلانی اپنی موٹریں سڑک کے کنارے روک کر کمار کا اسٹوڈیو دیکھنے کے لئے چک کی پگڈنڈی پر اُتر آتے تھے۔ مندروں اور چشموں کی طرح اس وادی میں کمار کا اسٹوڈیو بھی قابل دید مقامات میں شمار ہوتا تھا۔

کئی بار کچھ لوگ کمار سے شہر کا کوئی کام بھی پوچھ لیتے تھے ۔ آج کمار سڑک پر پہنچا تو اسے کسی سیلانی کی شہر کی طرف جاتی ہوئی موٹر تو نظر نہیں آئی لیکن فوجیوں کی ایک جیپ ضرور مل گئی۔ فوجیوں نے بتایا کہ وہ پٹھان کوٹ تک جا رہے ہیں۔ کمار ان کی جیپ پر سوار ہو کر پٹھان کوٹ کی طرف چل دیا لیکن جب جیپ پالم پور پہنچی تو کمار نے پٹھان کوٹ جانے کا ارادہ ترک کر دیا اور وہ وہیں پالم پور میں اتر گیا ۔

"جیسا پٹھان کوٹ ویسا ہی پالم پور"۔ کمار نے اپنے آپ سے کہا اور وہ اس گلی کی طرف چل پڑا جہاں جا کر کمار نے سوچا تھا کہ وہ ناک منھ بند کر کے کسی عورت کے جسم میں اس طرح گم ہو جائے گا کہ آٹھویں تاریخ کی یہ بڑی لہر اس کے سر پہ سے گذر جائے گی۔ اور کمار کو یقین تھا کہ جب یہ لہر گذر جائیگی تو اس کا سر پھر سے پانیوں کے اوپر آ جائے گا اور وہ بڑی آسانی اور آزادی کے ساتھ کنارے کی ریت پر پلٹ آئے گا ۔

پالم پور کے بازار میں بیٹھنے والی عورتیں کو زیادہ آمدنی کی امید نہیں ہوتی تھی وہ اس راستے سے گذرنے والے فوجیوں کے سہارے پر رہتی تھیں۔ بڑے افسران کے پاس کم ہی جاتے ۔ کیونکہ انہیں پٹھان کوٹ میں یہاں سے زیادہ سہولتیں مل جاتی تھیں۔ چنانچہ بالکل عام قسم کے گاہکوں کی عادی یہ عورتیں جب کبھی کسی ایسے آدمی کو دیکھتی تھیں جس سے انھیں کچھ زیادہ آمدنی کی امید ہوتی تو وہ بڑے جوش و خروش سے اسکا خیر مقدم کرتی تھیں۔ کمار کا خیر مقدم بھی اسی طرح ہوا جیسے وہ

ایک مدت کے بعد کسی واقف کار کے گھر میں آیا ہو۔

چندراوتی کو عمر کے لحاظ سے الھڑ کہا جا سکتا تھا لیکن اس کی کوئی بھی ادا الھڑ نہیں تھی۔ کمار نے جب شراب پینے سے انکار کر دیا تو چندرا نے مسکرا کر اس کے سامنے سے گلاس ہٹا دیا۔ شیشے کے ایک پیالے میں اس نے پھلوں کا رس ڈال کر کمار کے پاس رکھ دیا اور اس کے پیروں سے بوٹ اُتار کر اس کی جرابیں اتارنے لگی۔

چندرا کی ٹھنڈی ٹھنڈی انگلیاں جب کمار کے جھکے ہوئے جسم سے چھوئیں تو کمار کو محسوس ہوا کہ اُسے نیند آ رہی ہے۔

چندرا نے سنبل کی روئی سے بھرا ہوا ایک تکیہ چارپائی پر رکھ دیا۔ کمار نے تکیہ پر سر رکھ کر چندرا سے کہا کہ اگر آج اس کی شادی ہونی ہو تو وہ کس قسم کے کپڑے پہنے گی؟ اس نے چندرا سے ویسے ہی کپڑے پہننے کو کہا۔ اور چاندی کے وہ سارے زیور بھی جو شادی کے دن پہنے جاتے ہیں۔

چندرا نے کہا کچھ نہیں۔ ساتھ کی کوٹھری میں جا کر اس نے اپنا بکس کھولا۔ پھر اس میں سے سرخ چھیل کی چوڑی دار شلوار نکال کر پہنی اور ریائی کا کناری دار کرتہ پہنا اور جب پاؤں میں جھانجھن اور ناک میں چاندی کی ایک چھوٹی سی نتھ پہن کر وہ کمار کے پاس آئی تو کمار سو رہا تھا۔

جھانجھنوں کی آواز پر کمار نے اپنی نیند سے بوجھل آنکھیں کھولیں اور دیکھا کہ چندرا اُس کی پائنتی کے اس طرح سمٹ کر بیٹھ گئی ہے جیسے وہ ابھی ابھی ڈولی میں سے

نکل کر آئی ہو۔

کمار نے چندرا کو بازو سے پکڑ کر پائنتی سے اٹھایا لیکن جب اس نے اسے اپنی بانہوں میں لیا تو اسے محسوس ہوا جیسے وہ کپڑوں کی بنی ہوئی ایک گڑیا سے کھیل رہا ہو۔

چندرا نے اپنی ناک میں پہنی ہوئی نتھ کو اپنی انگلی سے تھاما۔ نتھ کا موتی شاید اسے بھاری لگ رہا تھا۔ کمار نے چندرا کی طرف دیکھا اور اسے احساس ہوا کہ چندرا شادی کا یہ بہروپ بھرتے بھرتے عاجز آگئی تھی۔

یہ بہروپ کس لئے؟" کمار کو خیال آیا اور اس نے جیسے اپنے آپ کو گھور کر دیکھا "میں نے چندرا کو الکا کا بہروپ بھرنے کے لئے کیوں کہا تھا؟ میں یہ کیا کر رہا ہوں؟"

آج ہی نہیں تم ہمیشہ اسی طرح کرتے ہو" کمار کے اندر سے آواز آئی "تم نے اپنے آپ کو کبھی بھی اس شکل میں قبول نہیں کیا جیسے کہ تمہیں کرنا چاہیئے تھا۔ تم نے الکا کو بھی کبھی اس شکل میں قبول نہیں کیا جیسے کہ تمہیں کرنا چاہیئے تھا تم الکا میں ہمیشہ ایک بیسوا ڈھونڈھتے رہے ہو اور آج ایک بیسوا میں الکا کو ڈھونڈھنا چاہتے ہو۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ تم یہ کیوں نہیں سمجھتے کہ وہ جہاں بھی بیٹھی ہوئی ہے تم اس کے پاس بیٹھے ہوئے ہو اور تم جہاں بھی کھڑے ہو وہ تمہارے ساتھ کھڑی ہے۔ ۔ ۔ ۔

۔ ۔ ۔ ۔ پانی میں کبھی لکیر نہیں پڑتی۔ لکیر کا دھوکا ہوتا ہے لیکن لکیر نہیں پڑتی۔ ۔ ۔ ۔

تم ابھی تک پانی کو توڑ کر دیکھ رہے ہو۔ ۔ ۔"

پانی نہیں ٹوٹ سکتا تھا۔ پانی کا باندھ ٹوٹ گیا دل کے پانیوں میں نہ جانے کیسے طوفان آ گئے۔ انھیں طوفانوں میں ایک بجلی پیدا ہوئی۔ محبت اور نفرت کے تاروں نے آپس میں مل کر اس بجلی کو جگا دیا اور بجلی کی روشنی میں کمار کو محسوس ہوا کہ الکا اس کے پاس تھی۔ الکا اس کے اندر بھی تھی اور الکا اس کے باہر بھی تھی ۔۔ کمار نے روپیوں سے چندرا کی مٹھی بھر دی ۔۔ یہ روپئے چندرا سے آج کے بہروپ کی معافی مانگ رہے تھے۔

کمار چندرا کی گلی میں سے آہستہ آہستہ گذرتا ہوا بازار میں آ گیا اور پیروالا جانے والی بس میں جا بیٹھا۔

بس جس وقت پیروالا پہنچی، شام کا اندھیرا کافی گہرا ہو چکا تھا۔ ڈیڑھ میل کی مسافت ابھی باقی تھی لیکن کمار اس طرح جلدی جلدی قدم اٹھاتا ہوا اپنے چک کی طرف چل پڑا۔ جیسے وہاں کوئی اس کا انتظار کر رہا ہو۔

چک کی کچی پگڈنڈی اتر کر کمار سیدھا جھونپڑیوں کی طرف چلا گیا۔ جس جھونپڑی میں الکا نے دئیوں کے بہت سے طاق بنا رکھے تھے،

کمار نے اس جھونپڑی میں جا کر سب دیئے جلا دیئے۔ جھونپڑی کی دیوار جھلملا اٹھی۔ مٹی کے چبوترے پر اون کا غالیچہ بچھا ہوا تھا۔ کمار جب اس غالیچے پر بیٹھا تو اسے محسوس ہوا جیسے آج اس شادی کی پہلی رات تھی ۔۔ اور پھر کمار نے اس دیوار کی طرف دیکھا جس پر الکا نے پانی کی لہریں بنا کر پانی میں ایک لکیر کھینچ رکھی تھی ۔۔

اور کمار نے سوچا کہ وہ ابھی رنگ اور برش لے کر پانی میں کھینچی ہوئی اس لکیر کو مٹا ڈالے گا۔

۱۶

الکا نے بنگلے کے باغیچے میں ایک اور اونچی جگہ پر پتھر کی ایک سل رکھی ہوئی تھی۔ اس سل پر وہ شام کو چائے کے پیالے رکھ کر اپنے پتاجی کو آواز دے کر بلایا کرتی تھی پتاجی روزمرہ کے مطابق چھ بجے چائے پیتے تھے اور پھر سیر کرنے کے لئے چلے جاتے تھے۔ الکا ان کے آنے تک باغیچے میں ہی بیٹھی رہتی تھی۔

آج پتاجی کو گئے کچھ ہی دیر ہوئی تھی کہ جگدیش چندر بنگلے کے پھاٹک میں آہستہ سے گذر کر الکا کے پاس آگیا۔ الکا اس وقت چائے کے خالی پیالے سنبھال رہی تھی۔

"آپ؟"

"میں بڑی دیر سے اس موڑ پر کھڑا تھا، انتظار کر رہا تھا کہ جب پتاجی چلے جائیں گے تب میں اندر آؤں گا۔"

"پتاجی نے تو کبھی آپ کو آنے سے نہیں روکا۔"

"لیکن میں تمہیں اکیلے میں ملنا چاہتا ہوں۔"

"بیٹھئے۔"

بیٹھنے کا حق میں نے کھو دیا ہے۔ لیکن آج میں وہی حق واپس لینے کے لئے

آیا ہوں . . . . "

"آپ ابھی تک واپس نہیں گئے . . . آج پندرہ تاریخ ہو گئی ہے . . . ."

"واپس جانا چاہتا تھا . . . . جا نہیں سکا الکا"

"جی!"

"میں اس دن جب رات کے اندھیرے میں یہاں سے چلا گیا تھا . . ."

"میں نے آپ کو جاتے ہوئے دیکھا تھا "

"تم اس دن کیا سوچتی ہو گی . . . . . ؟"

الکا ہنس دی "جہاں تک آپ کی پیٹھ دکھائی دیتی رہی میں آپ کی پیٹھ کی طرف دیکھتی رہی اور اس سے معافی مانگتی رہی "

" معافی تو اُسے مانگنی چاہیئے جو پیٹھ دکھا کر جائے . . . . "

" آپ کسی کو پیٹھ دکھا کر جانے والے نہیں تھے ' جانے کے لئے میں نے آپ کو مجبور کیا تھا اس لئے میں آپ کی پیٹھ سے معافی مانگتی رہی . . . . "

جگدیش نے ایک گہرا سانس لیا اور الکا کی طرف دیکھتے ہوئے بولا۔

" نہ کوئی تمہاری طرح سوچ سکتا ہے۔ نہ کوئی تمہاری طرح بول سکتا ہے۔ اب تم سمجھی ہو کہ میں جا کر بھی کیوں نہیں جا سکا۔ لگتا تھا خوبصورتی بھی بہت مل جائے گی اور جوانی بھی لیکن یہ جو میں نے تم میں دیکھا ہے ' وہ مجھے کبھی نہیں ملے گا "

الکا کچھ نہیں بولی۔ اس نے سر جھکا لیا۔

"یہ چوآٹھویں تاریخ گذر گئی ہے الکا! اسے مجھے لوٹا دو۔"

"تاریخ تو لوٹ سکتی ہے لیکن.....!"

"اب میرے دل میں کوئی، لیکن، نہیں رہا اور نہ ہی تمہارے دل میں رہے گا۔"

"کیوں؟"

"کیونکہ اس کی کوئی وجہ نہیں رہی۔"

"وجہ ویسی کی ویسی ہے، جیسے پہلے تھی۔"

"نہیں الکا! اب وہ وجہ نہیں رہی ـــــ میں تمہیں اپنی ایک چوری بتاؤں۔"

"کیا؟"

"میں تم سے بھی پوچھ سکتا تھا پوچھا نہیں۔ خود ہی سوچتا رہا کہ آخر وہ کون آدمی تھا جس سے تم اس قسم کی محبت کرتی تھی۔"

"آپ پوچھتے تو میں بتا دیتی۔"

"میں خود ہی سوچتا رہا اور میں نے جو کچھ سوچا تھا وہ ٹھیک نکلا۔"

"اس کا نام کمار ہے۔"

"مجھے معلوم ہے۔"

"لیکن صرف یہ پتہ چلنے سے وجہ کیسے ختم ہو گئی؟"

"میں وہاں گیا تھا چک نمبر چھتیس میں، اسے دیکھنے کے لئے۔"

"پھر؟"

"جب میں نے اسے دیکھا تھا تو وہ ہوش میں نہیں تھا۔ اس لئے میں یہ نہیں جانتا کہ وہ کس قسم کا آدمی ہے' اچھا ہی ہوگا، لیکن ....."

"کیا وہ بیمار ہیں؟"

"میرا خیال ہے کہ اب تک وہ زندہ نہیں ہوگا۔ ڈاکٹر نے بتایا تھا کہ وہ مشکل سے ایک دو راتیں کاٹے گا۔ یہ کل صبح کی بات ہے۔"

الکا پتھر کی طرح پتھر کی سل پر بیٹھ گئی۔

"الکا تم یہ مت سوچنا کہ میں اس کی موت سے خوش ہو رہا ہوں.... بلکہ ڈاکٹر نے جو دوا لکھ کر دی تھی' وہ جب وہاں سے نہ مل سکی تو میں پٹھان کوٹ سے وہ دوا بھجوا کر آ رہا ہوں..... میں نے یہ ہرگز نہیں چاہا تھا کہ وہ زندہ نہ رہے۔"

انہیں کیا تکلیف تھی؟ سینے میں درد تھا؟ الکا سل پر سے اٹھ کر اس طرح کھڑی ہو گئی جیسے وہ ابھی کمار کے پاس چلی جائے گی اور اسے موت کے منہ سے بچائے گی۔

"ہاں' سینے میں درد تھا — چیتو نے مجھے بتایا تھا کہ بالو جی کو یہ درد پہلے بھی ہوا کرتا تھا..... لیکن اس بار بخار بھی ہو گیا تھا۔ بخار روز بروز بڑھتا گیا تھا..... وہ شاید ایک رات سردی میں بیٹھ کر جھونپڑی کی دیوار پر کوئی تصویر بناتا رہا تھا۔ جھونپڑی کی ایک دیوار میں بہت سے دیئوں کے طاق بنے ہوئے ہیں۔ وہ ساری رات دیئے جلا کر تصویر بناتا رہا تب ہی اس کی چھاتی کو سردی لگ گئی......"

"چیتو نے مجھے بتایا ہی نہیں

"چیتو کا اس میں کوئی قصور نہیں الکا! وہ یہاں آکر تمہیں اطلاع دینا چاہتا تھا لیکن کمار نے نہیں آنے دیا۔"

"آپ ہی مجھے اطلاع دے دیتے۔"

"یہ میرے وہاں جانے سے پہلے کی بات ہے الکا۔ مجھے صرف چیتو نے اور اس کی بیٹی نے بتایا تھا۔"

"لیکن . . . . ."

"میرا خیال ہے کہ اس کی دماغی حالت ٹھیک نہیں تھی۔ مجھ سے زیادہ تمہیں معلوم ہوگا . . . . . وہ شاید شروع سے ہی اسی طرح کا تھا . . . . ."

"کس طرح کا؟"

"چیتو کہتا تھا کہ بابوجی کو یہ معلوم ہی نہیں کہ تم امرتسر چلی گئی ہو۔"

"کیا؟"

"وہ سمجھتا تھا کہ تم اب بھی اپنی جھونپڑی میں رہتی ہو . . . . تم وہاں ایک جھونپڑی میں رہا کرتی تھیں نا . . . . میں نے وہ جھونپڑیاں بھی دیکھی تھیں . . . . ."

الکا جگدیش کے منہ کی طرف دیکھنے لگی۔

میں ٹھیک کہہ رہا ہوں الکا! اگر وہ زندہ رہتا یا اگر اب بھی کسی طرح بچ گیا، تو جو کچھ میں اس کے بارے میں سن آیا ہوں، اس سے مجھے اس بات کا قطعی اندیشہ نہیں ہے کہ وہ کبھی بھی ہماری زندگی میں کوئی دخل دے سکتا ہے۔"

"وہ بچ جائیں گے۔"

"بچنے کی بات میں نے یونہی کہی ہے الکا! مجھے ڈاکٹر نے خود بتایا تھا کہ وہ کسی طرح نہیں بچ سکتا..... لیکن تم یہ مت سوچنا کہ میں اس کی موت سے خوش ہوں۔ میں اب بھی چاہتا ہوں کہ وہ بچ جائے لیکن جس آدمی کی دماغی حالت ٹھیک نہ ہو وہ زندہ رہ کر بھی کیا کرے گا..... ویسے وہ آرٹسٹ بہت اچھا ہے، میں نے اس کی تصویریں دیکھی تھیں......"

"...... دماغی حالت......"

"اس پر شاید کسی جن بھوت کا اثر ہو گیا ہے ــــ یہ میری رائے نہیں الکا! میں جنوں بھوتوں پر یقین نہیں رکھتا یہ خیال چیتو چاچا کا تھا...... اور اس نے مجھے بتایا تھا کہ بابو اکیلے بیٹھے بیٹھے کسی سے باتیں کرتے رہتے تھے اور کئی بار اپنے پلنگ کی طرف اشارہ کر کے اس سے پوچھا کرتے تھے کہ اس پلنگ پر بیٹھی ہوئی جنی نظر آتی ہے یا نہیں .... کیا نام ہے چیتو کی بیٹی کا ــ ناتی! وہ بھی یہی کہتی تھی کہ بابو جی کو پیروں کے بارے میں کوئی وہم ہو گیا تھا۔ وہ ان سے پوچھتے تھے کہ جنی کے پیر الٹے ہوتے ہیں یا سیدھے -؟ یا پھر نیند میں بڑبڑایا کرتے تھے کہ پانی میں لکیر کھینچی، لکیر کا دھوکا ہوتا ہے..... یہ سب کچھ شاید بخار کی بے ہوشی کی وجہ سے ہوتا ہوگا....."

الکا نے منہ پھیر لیا۔ ایک ہاتھ سے اس نے پتھر کی سل کو تھام رکھا تھا۔ آنسوؤں کی بوندیں جس طرح الکا کی آنکھوں سے ٹپک کر پتھر کی اس سل پر پڑیں، سل کو لگا۔

جیسے وہ اِن بوندوں کی تاب نہ لاکر پگھل جائے گی۔

"الکا!" جگدیش نے پاس آکر الکا کے کندھے پر ہاتھ رکھ دیا۔

"جی"

"میں جانتا تھا تمہیں تکلیف ہوگی۔ آخر تم نے کبھی اس سے اتنی محبت کی تھی، لیکن اب نہ تو یہ تمہارے بس کی بات ہے اور نہ ہی میرے بس کی۔ نہ جانے کیسی قسمت تھی اس کی کہ وہ تمہارے جیسی لڑکی سے محبت نہ کر سکا۔ نہ جانے اس کے دل میں کیا بات تھی، لیکن اب وہ بات بھی ختم ہوگئی ہے۔"

الکا سے بولا نہ گیا۔ اس نے صرف انکار کے طور پر سر ہلا دیا۔ جیسے کہنا چاہتی ہو وہ بات ابھی ختم نہیں ہوئی، وہ بات کبھی بھی ختم نہیں ہو سکتی۔"

"الکا!"

"جی"

"میں تمہارے دکھ کو سمجھتا ہوں الکا۔ اسی لئے میں شادی کی کوئی دھوم دھام نہیں کروں گا۔ کل یا پرسوں ہم پندرہ منٹ میں یہ رسم پوری کر لیں گے پھر میں تمہیں یہاں سے سیدھے۔۔۔۔۔"

"میری شادی ہو چکی ہے جگدیش!"

"الکا!"

"بہت عرصہ پہلے کمار سے میری شادی ہوئی تھی لیکن ان کا خیال تھا کہ پانی میں

لکیر پڑ سکتی ہے' اب انہیں معلوم ہو گیا ہے کہ پانی میں لکیر نہیں پڑ سکتی۔ اس لئے میں رات کی گاڑی سے اُن کے پاس چلی جاؤں گی ــــ اپنے گھر چلی جاؤں گی۔"

"لیکن الکا وہ تو ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔"

"وہ ضرور زندہ ہوں گے۔"

"تم یہ بھی دیکھ لو جا کر۔ خود جا کر دیکھ لو۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ لیکن اگر تمہارے وہاں پہنچنے تک کمار زندہ نہ ہوا تو ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔"

"تو بھی میں وہیں اپنے گھر میں رہوں گی ۔ ایک بیوہ عورت کی طرح رہونگی۔"

فہرست کتب

کارِ جہاں دراز ہے۔	قرۃ العین حیدر	رسیدی ٹکٹ	امرتا پریتم
آگ کا دریا	〃	محبت نامے	〃
فصلِ گل آئی یا اجل آئی	〃	میرا کمرہ	〃
سیتا ہرن	〃	انچاس دن	〃
جہانِ دیگر	〃	یہ سچ ہے	〃
جہاں پھول کھلتے ہیں	〃	ایک تھی انیتا	〃
جگنوؤں کی دنیا	〃	پنجر	〃
گلگشت	〃	دلی کی گلیاں	〃
کوہِ دماوند	〃	لاہور کا جو ذکر کیا	گوپال متل
ماں کی کھیتی	〃	دو ہاتھ	عصمت چغتائی
آدمی کا مقدر	〃	خوشبو کا بدن	〃
پت جھڑ کی آواز	〃	آدھی عورت آدھا خواب	〃
تخلیقاتِ پطرس	پطرس بخاری	رات، چور اور چاند	بلونت سنگھ
پطرس کے مضامین	〃	بلونت سنگھ کے افسانے	〃
پطرس کے خطوط	〃	ہاتھ ہمارے قلم ہوئے	راجندر سنگھ بیدی
تنقیدی مضامین	〃	بے جان چیزیں	〃
افسانے، ڈرامے، ناولٹ	〃	سات کھیل	〃

کندن	راجندر سنگھ بیدی	میری یادوں کے چنار	کرشن چندر
بیدی کے افسانے	״	کرشن چندر کے ڈرامے	״
چلتے پھرتے چہرے	״	پہلگام کا بدنام	״
مضامین رشید	رشید احمد صدیقی	گنگا بہے نہ رات	״
آشفتہ بیانی میری	״	دادر پل کے بچے	״
بڑے آدمیوں کا عشق	شورش گرامی	روحِ کائنات	فراق گورکھپوری
اس نے کہا	خلیل جبران	ہزار داستان	״
خدا اور دیوتا	״	گلکاریاں	״
جوانی اور محبت	״	کلیات جگر	جگر مراد آبادی
زرد پتے	״	آتش گل	״
مجرم	״	کلیات ساحر	ساحر لدھیانوی
پاگل	״	تلخیاں	״
نئے غلام	کرشن چندر	بغاوت	درشن سنگھ آوارہ
پھول کی تنہائی	״	کلیات شکیل	شکیل بدایوانی
الٹا درخت	״	اردو کی بہترین غزلیں	پرکاش پنڈت
ایک گدھے کی سرگزشت	״	بہترین رباعیاں اور قطعے	״
مضامین کرشن چندر	״	میخانہ	

ہماری مطبوعات

کارِ جہاں دراز ہے (حصہ اول)	قرۃ العین حیدر
" " " (حصہ دوم)	" "
آگ کا دریا	" "
فصلِ گل آئی یا اجل آئی	" "
پطرس کے مضامین	پطرس بخاری
پطرس کے خطوط	"
زیرِ لب	صفیہ اختر
حرفِ آشنا	"
گنجے فرشتے	منٹو
انارکلی	"
ٹھنڈا گوشت	"
کرنیں	شفیق الرحمٰن
دو ہاتھ	عصمت چغتائی
رات چور اور چاند	بلونت سنگھ
تعمیرِ حیات	ڈیل کارنیگی
زرد پتے	خلیل جبران

پاگل	خلیل جبران
محبت اور جوانی	" "
ایک گدھے کی سرگذشت	کرشن چندر
پھول کی تنہائی	" "
الٹا درخت	" "
محبت کی رات	" "
مضامین کرشن چندر	" "
لذیذ پکوان	شائستہ کوثر
نقوشِ زنداں	سجاد ظہیر
کلیاتِ جگر	جگر مراد آبادی
آتشِ گل	" "
کلیاتِ شکیل	شکیل بدایونی
کلیاتِ ساحر	ساحر لدھیانوی
تلخیاں	" "
گلِ نغمہ	فراق گورکھپوری

مکتبۂ اردو ادب لاہور